بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انشا اللہ خان انشاؔ

رو میں ہے رخشِ عمر

نام :	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام :	تقی عابدی
تخلص :	تقی
والد کا نام :	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام :	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش :	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش :	دہلی (یو پی) ہندوستان
تعلیم :	ایم بی بی ایس (حیدر آباد' انڈیا)
	ایم ایس (برطانیہ)
	ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)
	ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ :	طبابت
ذوق :	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق :	مطالعہ اور تصنیف
قیام :	ہندوستان' ایران' برطانیہ' نیویارک اور کینیڈا
شریک حیات :	گیتی
اولاد :	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)

انشاؔ اللہ خان انشاؔ

ڈاکٹر تقی عابدی

الفتمر انٹرپرائزز
رحمان مارکیٹ
اُردو بازار لاہور

خوبصورت، معیاری کتابیں

القمر انٹرپرائزز

اہتمام: محمد سعید اللہ صدیقی

طبع: اوّل

تزئین: خرم آرٹس، لاہور

مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

اِنتساب

اُردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ

ماہ لقا بائی چنداؔ

کے نام

جس نے انشاؔ کو بے طلب پانچ سو روپیہ
کی ہنڈی بھجوا کر شاہی عتاب کے دوران
اُردو ادب کے اس عظیم شاعر کی خدمت کی اور
دل مول لیا

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(مولانا روم)

فہرست

انشا فہمی کا ایک سنگِ میل

یوں تو اردو کی نئی بستیوں خصوصاً شمالی امریکہ میں شعر و شاعری کے چراغ بہت ابتداء ہی سے جگمگا رہے ہیں لیکن نثر کے میدان میں ابھی بڑی گنجائش پائی جاتی ہے۔

سنجیدہ ادب تخلیق کرنے والے اپنے آپ کو صرف تخلیق شعر تک ہی محدود نہیں رکھ سکتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اردو کے مخصوص سماجی حالات کی روشنی میں شاعری کے پودے نے قبولیتِ عام کا درجہ جلد حاصل کر لیا اور اس کی شاخوں پر بہت سے بیل بوٹے اور پھل پھول نکل آئے لیکن اس زبان کا دامن نثر کے سرمائے سے بھی ہمیشہ مالا مال رہا ہے۔ صرف تخلیقی نثر ہی نہیں بلکہ تنقید و تحقیق کے کمالات بھی اس زبان میں پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی چمک دمک دکھلا رہے ہیں۔ البتہ شمالی امریکہ کے بیشتر لکھنے والے شاعری کے پودے کی آبیاری میں زیادہ مصروف نظر آتے ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے ان میں سے بیشتر لکھنے والے نثر کی طرف بھی مائل ہوئے ہیں اور اب یہاں کے ادبی سرمائے میں نثری کاوشوں کے بیل بوٹے بھی نظر آنے لگے ہیں۔ یہ منظر بہت زیادہ امید افزا نہ ہوتے ہوئے بھی قابلِ توجہ ضرور ہے۔ اس منظر میں تخلیقی نثر کی کرشمہ کاریوں کو جن میں ناول' افسانہ' ڈرامہ وغیرہ شامل ہیں بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ مستشرقین کو منفیٰ کر کے دیکھا جائے تو تحقیق کا میدان بالکل صاف نظر آتا ہے۔ اس کمی کو کینیڈا میں مقیم اردو زبان و ادب کے بے مثال خدمت گزار جناب ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ گو کہ ان کا تعلق طب کی دنیا سے ہے مگر اردو کے تحقیقی سرمائے پر ان کی نظر بڑی گہری ہے۔ اس بات کا اندازہ ان کی تحقیقی تصانیف سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس میدان میں ان کی خدمات پاک و ہند کے سی بھی محقق اور نقاد سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے

تن تنہا اس میدان میں جو کام کیا ہے اس نے شمالی امریکہ کے تحقیقی منظر نامے کو خاصا معتبر بنا دیا ہے۔

زیر نظر تصنیف ''شاعر شیریں بیاں انشا اللہ خاں'' بھی ایک ایسی یادگار تحقیقی کتاب ہے اور اس کے مطالعے کے بعد یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمالی امریکہ میں اردو کا تحقیقی سرمایہ اگرچہ مقدار میں کم ہے مگر معیار میں یقیناً کسی طرح بھی کم رتبہ نہیں ہے۔

کسی بھی مورخ یا محقق کے کام کو دو طرح سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کیا مصنف نے مرحلہ وار مکمل تحقیق کے بعد کوئی نتیجہ نکالا ہے اور اپنی رائے قائم کی یا یہ کہ اپنے مطالعے اور مشاہدے کے نتیجے میں پہلے سے قائم کی ہوئی کسی رائے کے اثبات میں دلیلیں پیش کی ہیں؟ انشا اللہ خان انشا کے بارے میں ڈاکٹر تقی عابدی کا پیمانہ دوسری طرح کی شراب سے بھرا ہوا ہے۔ اسے انشا سے ان کی ایک عقیدتِ خاص کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہیں کہیں ایک غیر جانبدار محقق پس پردہ چلا جاتا ہے اور ایک چاہنے والے اور مداح کا سراپا آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ مجرد تحقیقی فضا کے طلبگاروں کے لئے یہ صورت کوئی بہت خوش کن صورت نہیں لیکن اس سے ہٹ کر سوچنے والوں کا خیال ہے کہ کسی بھی لکھنے والے کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ جس کے بارے میں لکھ رہا ہو اس کی شخصیت کے طلسم سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کر سکے۔ ڈاکٹر تقی عابدی صاحب بھی انشا کی شخصیت میں پائی جانے والی محبوبیت کے طلسم سے خود کو علیحدہ نہ کر سکے۔ یہ خصوصیت جہاں ایک طرف ان کی اپنی شخصیت کے شفاف ہونے کی دلیل ہے تو دوسری طرف خود انشا کی شخصیت کو بھی ابھارتی ہے۔ ایسے موقعہ پر وہ فیض کی زبان میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ:

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو

اس پسندیدگی اور محبت بلکہ عقیدت کے باوجود ان کی تحقیق کہیں بھی اعتدال کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔ وہ شروع سے آخر تک معروضی انداز میں انشا کے فن، ان کی شخصیت، ان کے عہد اور ان کے گرد و پیش پر نظر ڈالتے ہیں اور نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے پڑھنے والے کو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں جسے وہ تفہیمات انشا کے سلسلے میں سیدھا اور سچا راستہ سمجھتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک ایک صفحے، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر وہ پڑھنے والے کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ جس طرح پرندے اپنے بچوں کو اپنی چونچ سے دانہ کھلاتے ہیں بالکل اسی طرح عابدی صاحب انشا کے بارے میں ایک ایک معلومات ایک ایک جزئیات اور ایک

ایک پہلو کو اپنے قاری کے ذہن میں اتار تے ہیں۔ اس پورے عمل میں آپ ان سے متفق نہ ہوں تب بھی ان کی صداقتِ رائے سے انکار نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے انشآ کا مطالعہ بہت سلسلہ وار اور بڑی جامعیت سے کیا ہے۔ ان کا مرکزی نقطۂ نظر یہ ہے کہ انشآ کی شاعری اور ان کے فن پر تنقیدی اور تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ انشآ کی معجز بیانی کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ انشآ کا شمار اردو کے ان آٹھ دس شاعروں میں ہوتا ہے جو دو ڈھائی صدی سے اردو شاعری کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں لیکن ان تمام شاعروں میں انشآ کے فن پر سب سے کم کام ہوا ہے۔ تذکرہ نگاروں، تنقید نگاروں اور محققوں نے انشآ اور ان کے حریفوں کے ساتھ معرکہ آرائی پر دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے لیکن ان کے فن پر ایک دو گھسے پٹے جملے لکھ کر انشآ پر ہی نہیں بلکہ تمام اردو شاعری پر ظلم کیا ہے۔ تذکرہ ہندی گویان میں مصحفی تو حریف ہی تھے وہ کیا کہتے؟ تذکرہ مجموعہ نغز میں قدرت اللہ قاسم تو انشآ کے چھپے دشمن ہی تھے وہ بھی کیا لکھتے؟ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جن کا گلشنِ بے خار جو دراصل گلشنِ بے کار اس لئے ہے کہ اس میں چھ سو شاعروں میں سے صرف چھ شاعروں پر تبصرہ ہے۔ جن میں خود نواب موصوف اور ان کے چار ہم عصر غالب، مومن، آزردہ اور صہبائی اور دو شاعرات جن میں شیفتہ اور مومن کی محبوبائیں بھی شامل ہیں۔

ان چھ سطروں میں عابدی صاحب نے انشآ کے فن اور شخصیت پر قلم اٹھانے والے تین بہت بڑے بتوں کو جتنی بے رحمی سے منہ کے بل گرایا ہے اس پر ان کی حق گوئی اور اظہار صداقت کی داد نہ دینا سراسر زیادتی ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ صرف جذباتی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ان کی محققانہ محنتیں بولتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے پورے دلائل کے ساتھ شیفتہ اور آزاد پر اپنی گرفت کی ہے۔ اس باب میں عابدی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ ''شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ایک ایسا فتویٰ صادر کر دیا جو ڈیڑھ صدی گزرنے پر بھی ادب کی شریعت میں منسوخ نہ ہو سکا۔ بقول شیفتہ ''انشآ ہر صنف سخن را بہ طریقِ راسخہ نگفتہ'' بہ طریق سے مراد قدما کا طریقہء کار ہے۔ یعنی شیفتہ، انشآ جیسے نابغہ روزگار تخلیق کار کو خود اپنے جیسا اکتسابی شاعر سمجھ بیٹھے جو لکیر کا فقیر اور قدما کا مرید ہو کر رہ جاتا۔''

اسی طرح عابدی صاحب نے آزاد پر بھی کڑی گرفت کی ہے۔ محمد حسین آزاد تو آب حیات میں فراغ کے شاگرد بیتاب کے جملے کے سحر سے جاگ نہ سکے کہ ''انشا اللہ خان کے فضل و کمال کو شاعری نے اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا'' بقول عابدی صاحب یہ جملہ غلط بیانی ہے اس لئے کہ انشآ کوئی عالم گیر بادشاہ یا مصور و معمار نہ تھے بلکہ ان کا فضل و کمال

ان کی شاعری ہی تھی اور اسی سے ان کی نثری تخلیق بھی وجود میں آئی اور آج دو سو سال گزرنے کے بعد بھی انشاؔ صرف شعر و ادب کی تخلیق سے ہمارے درمیان زندہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انشاء کی شخصیت نابغہ روزگار تھی اور ایسی شخصیت نہ کسی کے بتائے ہوئے راستے پر آنکھ بند کر کے چلتی ہے اور نا ہی کسی سے رہ نمائی کی طالب ہوتی ہے۔ البتہ دوسرے ان کے بنائے ہوئے راستوں پر چلنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ مثلاً یہ دیکھیے کہ انشاء کے ادبی معرکے بہت مشہور ہیں ایک معرکہ ان کا میر قدرت اللہ قاسمؔ سے ہوا اس معرکے کو اگر مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں دیکھا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اپنی راہ خود تلاش کرنے والا کون ہے اور کون دوسروں کی راہ پر چلتا ہے؟ انشاؔ نے کسی مشاعرے میں ایک غزل پڑھی جس کی ردیف تھی ''پانچوں'' انشاؔ کی ذہین اور طباع شخصیت نے اس ردیف کو نبا ہنے کا حق ادا کر دیا۔ چند اشعار جو عابدی صاحب نے نقل کئے ہیں انہیں میں دوبارہ نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ جینئس اور غیر جینئس کا فرق واضح ہو سکے۔

چشم و ادا و غمزہ شوخی و ناز پانچوں
دشمن ہیں میرے جی کے بندہ نواز پانچوں

آرام و صبر و طاقت ہوش و حیا کہاں پھر
بے دل کے ساتھ یہ بھی اے عشوہ ساز پانچوں

مت پوچھ کارِ انشاؔء ہجر و وصال میں کچھ
صبر و جنون و وحشت عجز و نیاز پانچوں

کہتے ہیں کہ انشا کی اس قادر الکلامی پر انہیں بے حد داد ملی اور ان کے حریفوں کے منہ اتر گئے۔ چنانچہ اگلے مشاعرے میں قدرت اللہ قاسمؔ نے اپنا زورِ ہنر دکھانے کے لئے ''ساتوں'' کی ردیف میں غزل کہی۔ ظاہر ہے کہ یہ چبے ہوئے نوالے کو دوبارہ چبانا تھا مگر اصل پھر اصل ہے انشاؔ نے اپنی قادر الکلامی کے بل بوتے پر جواباً ''آٹھوں'' اور پھر یہی نہیں بلکہ ''بیسوں'' اور ''تیسوں'' جیسی مشکل ترین زمینوں میں غزلیں کہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی فطرتاً طباع اور ذہین ہوتا ہے وہ اپنا راستہ خود بناتا ہے۔

انشاؔ کے ساتھ صورتِ حال کچھ ایسی ہوئی کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں پر بہت

دور تک چلے گئے۔ اس طرح کچھ لوگوں کا خیال ہے اور شاید کسی حد تک میرے نزدیک صحیح بھی ہے کہ انشا میں جو اصلی جوہر تھے وہ پوری طرح سامنے نہ آ سکے۔ اس کے برخلاف تقی عابدی صاحب کا خیال ہے کہ ان کے جوہر سامنے تو آئے مگر ان کے مخالفین نے ان پر پردہ ڈال دیا اور چونکہ عابدی صاحب اپنی رائے پر کامل یقین رکھتے ہیں اس لئے انشا پر یہ تحقیقی مقالہ لکھ کر انہوں نے اپنی انشا پسندی اور حق پرستی کا کھلا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ اس محنت لگن اور محققانہ کام پر میں انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں۔

اشفاق حسین
کینیڈا

وجہ تالیف

اگرچہ انشاؔ کا شمار اردو کے عظیم شاعروں میں کیا جاتا ہے لیکن دوسرے عظیم شاعروں یعنی میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ کی بہ نسبت انشاؔ کی حیات، شخصیت اور فن پر کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اردو کے تذکروں، تاریخوں، قدیم اور جدید تحریروں میں انشاؔ پر جو اظہار خیال ہوا ہے وہ بے طرفانہ نہیں بلکہ معاندانہ بھی ہے جس میں تقریباً ساری توانائی ان کی ادبی معرکہ گیری اور ہنگامہ آرائی کو ثابت کرنے میں صرف کی جاتی ہے۔ آزادؔ کی ''آب حیات'' سے لے کر ہمارے دور حیات تک انشاؔ پر جو تحریریں لکھی گئیں ان پر قدیم تذکروں خصوصاً مصحفیؔ، قدرت اللہ قاسمؔ اور نواب شیفتہؔ کے تذکروں کا اثر شدید ہے جو انشاؔ کے دانا دشمنوں اور نادان دوستوں کے قلمی رشحات سے لبریز ہیں۔ اگرچہ بعض آزادفکر ادیبوں اور محققوں نے حقیقت نگاری میں دریغ نہیں کیا لیکن ایسے افراد کی تعداد انگشت شمار ہے۔ ایک اندازے کے مطابق انشاؔ کے کلیات اور دوسری تصانیف کے علاوہ ان کی حیات، شخصیت اور فن پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد ایک درجن سے بھی کم ہے۔ انشاؔ کے کلیات کو شائع ہوئے ڈیڑھ سو سال ہو چکے لیکن آج تک صحت متن اور صحیح کتابت سے اس کا دوسرا جدید نسخہ تیار نہ ہو سکا۔ تقریباً پچاس سال پہلے مرزا محمد عسکری، محمد رفیع فاضل اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی کاوشوں سے اردو کلام شائع کیا گیا اور وقتاً فوقتاً اسی سے انتخابی کلام بھی شائع ہوتا رہا لیکن تحقیق اور تصحیح متن کے ساتھ کلیات کا شائع ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر رہا چنانچہ اس ہیچ مداں نے اس کام کو پورا کیا اور کلیات انشاؔ مرحلہ کتابت اور طباعت میں ہے۔ اس حقیر نے اس سنگین پتھر کو یک و تنہا اٹھا کر محراب شاعری میں کچھ ایسا جما دیا ہے کہ اہل نظر اس پر نظر

جمائے بغیر نہیں ہٹ سکتے۔ اس کام کیلئے تقریباً تمام مطبوعات اور بعض قلمی مسودے رسائل اور بیاضوں کو کھنگالنا پڑا چنانچہ یہ تالیف اسی گلستان کی روداد ہے۔

اس کتاب میں قارئین کے محدود ذوق مطالعہ کا بھی خیال رکھا گیا اور مطالب کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا اگرچہ پوری کتاب کا مطالعہ انشاؔ کی ہمہ گیر شخصیت اور فن کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ اس کتاب میں انشاؔ کے کلیات کے دیوان اردو، دیوان ریختی، دیوان فارسی اور دیوان بے نقط کے علاوہ قصائد، مثنویات، قطعات، ہجویات اور رباعیات سے بھی اقتباس کیا گیا ہے۔ انشاؔ کی دوسری تصنیفات کا بھی اجمالی تذکرہ اس میں شامل ہے تاکہ قارئین بقدر فکر و ہمت ان کتابوں سے استفادہ کر سکیں۔ اس میں پہلی بار قارئین کی سہولت کی خاطر منتخب اشعار کو خانوں میں تقسیم کر کے پیش کیا گیا، اس کے علاوہ فارسی اشعار کا ضروری ترجمہ بھی کیا گیا۔ اردو اور فارسی کے جو اشعار مختلف عنوانات کے تحت لکھے گئے ان کی تکرار سے حتی الامکان پرہیز کیا گیا۔ عادلانہ تنقید علمی، منطقی اور تنقیدی اصولوں پر کی گئی۔ تبصروں اور تحریروں کے مستند حوالے بھی دیئے گئے تاکہ گفتگو مستند قرار پائے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو ادب کے پرستار اس کاوش کو جودیدہ ریزی اور حق بیانی سے پوری ہو سکی مورد تحسین قرار دیں گے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ع ہر بڑے کام کی تکمیل ہے خود اس کا صلہ

خیر اندیش

سیّد تقی عابدی

انشاؔ کی بائیوگرافی

نام	سیّد انشا اللہ خان
تخلص	انشاؔ (بعض مقامات پر انشاءاللہ)
تاریخ ولادت	صحیح علم نہیں۔ (۱۷۵۲ء اور ۱۷۵۳ء کے درمیان مطابق ۱۱۶۶ اور ۱۱۶۷ ہجری کے درمیان کسی دن) مشہور تاریخ دسمبر ۱۷۵۲ء مطابق صفر ۱۱۶۶ ہجری
مقام ولادت	مرشد آباد (بنگال)
عمر	۶۶ سال
تاریخ وفات	۱۹ مئی ۱۸۱۷ء مطابق ۳۰ جمادی الثانی ۱۲۳۲ ہجری
مقام وفات	لکھنو مصحفیؔ = اے وائے کہ مردہ قدردان شعراء ۱۲۳۲ھ
مقام دفن	قبرستان مشیر جنگ، لکھنو
والد کا نام	سیّد ماشاءاللہ خان مصدر
دادا کا نام	سیّد نوراللہ
اجداد	سادات نجف اشرف (عراق)
دین و مذہب	اسلام، مسلمان
ازواج	دو بیویاں: (۱) عاشوری بیگم بنت خواجہ اکرم علی (۲) اچھی بیگم متوفی ذیقعد ۱۲۳۳ھ

دونوں بیویاں انشاؔ کے انتقال کے وقت زندہ تھیں۔

اولاد تین لڑکے اور دو لڑکیاں:

(۱) تعالیٰ اللہ خان، ولادت ۱۷۹۴ء/ ۱۲۰۹ھ، وفات ۱۸۰۲ء/ ۱۲۱۸ھ، عمر ۸ سال

مصرع تاریخ وفات ع = کہ "وائے وائے تعالیٰ جدا شد از انشاء"

(۲) شکر اللہ خان، ولادت ۱۸۰۳ء، وفات ۱۸۰۶ء/ ۱۲۲۲ھ کم عمر تھا

مصرع تاریخ وفات ع = سال تاریخ جدائی "وادریغا" گفت ورفت

(۳) سید محمد، ولادت ربیع الثانی ۱۸۰۲ء/ ۱۲۱۸ھ، انشاء کے انتقال کے بعد زندہ رہا۔

مصرع ولادت ع = بجواب گفت ہاتف ولد خجستہ طالع

(۴) مولائی بیگم اہلیہ میرزا احمد منشا، ولادت ۱۲۱۱ھ، وفات ۱۲۲۸ھ۔ عارضہ چیچک۔ ان کے مرنے کے وقت ان کی ایک ڈھائی سال کی لڑکی اور دس ماہ کا لڑکا تھا۔

(۵) سلطانہ بیگم اہلیہ میر محمد تقی، تاریخ ولادت اور وفات کا علم نہیں ہے لیکن انشاء کے انتقال کے بعد زندہ رہیں۔

شغل شاعری، ادب، طبابت۔

مسافرت و سکونت

(۱) ۱۷۵۲ء سے ۱۷۶۴ء تک مرشد آباد میں رہے۔

(۲) ۱۷۶۵ء سے ۱۷۸۰ء تک فیض آباد میں رہے۔ شجاع الدولہ کے دربار سے متصل رہے۔

(۳) ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۷ء دلی میں رہے۔ زندگی لشکر، دربار اور بازار میں گزری۔

(الف) کچھ دن نواب نجف علی خان کے لشکر میں رہے۔

(ب) کچھ دن شاہ عالم کے دربار میں رہے۔

(ج) کچھ زمانہ محمد بیگ ہمدانی کی مہمات میں گزرا۔

(۴) ۱۷۸۸ء مطابق ۱۲۰۳ھ لکھنؤ آئے اور ۱۷۹۰ء تک کسی کے دربار سے متصل نہ رہے۔

(الف) پہلے نواب الماس علی خان متوفی ۱۸۰۸ء سے متصل رہے۔ ع ۔ حیف اے آہ از الماس علی خاں افسوس!
(ڈاکٹر اسلم پرویز ''انشاؔ'' میں لکھتے ہیں: انشاؔء الماس علی خاں سے از راہ عقیدت دوستی رکھتے تھے لیکن ان کے نوکر نہ تھے)

(ب) شہزادہ سلیمان شکوہ متوفی ۱۸۳۷ء کے دربار سے ۱۷۹۰ء سے ۱۸۰۹ء تک متصل رہے۔
ے ہیں سلمان کے نوکر اے انشاؔء

(ج) نواب سعادت علی خان متوفی ۱۸۱۸ء کے دربار سے ۱۸۰۵ء سے ۱۸۱۴ء تک متصل رہے۔
ے کیوں نہ اپنے ہوں بادشاہی خرچ

(د) ۱۸۱۴ء سے ۱۸۱۷ء تک دربار سے برطرف رہے۔ دماغی بیماری میں مبتلا رہے۔

تعلیم و تربیت

(الف) انشاؔ کی تعلیم کا آغاز حسب دستور قرآن شریف پڑھنے سے ہوا۔
(شیام لال کالڑا)

(ب) عربی، فارسی اور طب کے تعلیم یافتہ تھے۔ (مصحفی، تذکرہ ہندی)

(ج) فنون عربی و فارسی و ہندی مہارت تمام دارد۔
(شوق رام پوری، تکملہ شعرا)

(د) تیراندازی، شمشیر بازی اور گھوڑا سواری میں مہارت رکھتے تھے۔
(عبدالقادر غمگین، دستور الفصاحت)

(ہ) باپ نے بیٹے کو خوبصورتی سے تعلیم کی۔ ایسا طباع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم ہوا ہوگا۔ (محمد حسین آزاد، آب حیات)
ہندوستان کی مختلف زبانیں ان کے گھر کی لونڈی ہیں۔

شاعری و ادب

آغاز

(الف) از ابتدائے عمر بہ حکم موزونی طبع شعر در ہر سہ زبان می گوید۔
(مصحفی، تذکرہ ہندی)

(ب) انشاء نے کم وبیش تیرہ (۱۳) برس کی عمر سے شعر گوئی شروع کردی ہوگی۔
(عابد سیاروی، انشاء)

(ج) سولہ برس کی عمر میں انشاء نے اپنا ہندی دیوان مرتب کرلیا تھا۔
(احمد علی سندیلوی، مخزن الغرائب)

شاگردی

انشاء نے کسی سے اصلاح نہ لی صرف اپنے والد کو ابتدا میں کلام دکھایا۔
(محمد حسین آزاد، آب حیات)

تصانیف (کل تعداد سات ہے)

(الف) کلیات..... مطبوعہ ۱۸۵۵ء، نولکشور ۱۸۵۹ء
(ب) دریائے لطافت..... تصنیف ۱۸۰۷ء مطبوعہ ۱۸۵۰ء
(ج) کہانی رانی کیتکی..... تصنیف ۱۸۰۳ء مطبوعہ ۱۸۵۲ء
(د) داستان سلک گوہر..... تصنیف ۱۲۱۴ھ سے ۱۲۲۰ھ تک۔ مطبوعہ ۱۹۴۵ء
(ہ) لطائف السعادت..... تصنیف قبل از ۱۸۰۸ء مطبوعہ ۱۹۵۵ء
(و) ترکی روزنامچہ..... تصنیف ۱۸۰۸ء مطبوعہ ۱۹۶۰ء
(ز) مطر المرام فی شرح قصیدۃ طور الکلام..... تصنیف ۱۲۲۲ھ

(الف) کلیات

(۱) قدیم ترین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء، مطبع محمد باقر دہلی
(۲) نولکشور نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء، مطبع نولکشور لکھنو (پہلا ایڈیشن)
(۳) نولکشور نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۴ء، مطبع نولکشور کانپور (دوسرے ایڈیشن) کے اجزا کی تفصیل

صفحات = (۴۵۰)
کل اشعار = (۸۶۴۵)
دیوان اردو = (۴۲۷) غزلیں، (۳۵۵۴) اشعار

دیوان ریختی = (۹۱) غزلیں، رباعیات (۳)، مستزاد (۵۲شعر)، متفرق فرد (۲۰) شعر = کل (۱۶۰۰اشعار)
دیوان فارسی = (۸۲) غزلیں (۵۷۴) اشعار
دیوان بے نقط = (۲۵) غزلیں رباعیات (۳)، مخمس (۱) = اشعار (۱۸۰)
قصاید فارسی اردو، مثنویات فارسی اردو، ہجویات حشرات وافراد، مخمسات، قطعات، رباعیات، پہیلیاں اور فردیات کے جملہ اشعار = (۱۸۸۶)

(۴) کلام انشآء (اردو کلام کا مجموعہ) مرتبہ محمد عسکری ۱۹۵۲ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہٰ آباد سے شائع ہوا۔

(ب) دریائے لطافت

(۱) فارسی زبان میں اردو قواعد کی پہلی کتاب ہے جسے کسی ہندوستانی نے لکھا۔
(۲) اس کا پہلا حصہ جو صرف ونحو سے متعلق ہے انشآء نے اور دوسرا جو عروض اور منطق سے تعلق رکھتا ہے مرزا محمد حسن قتیل نے لکھا۔
(۳) یہ کتاب اگرچہ ۱۸۰۷ء میں تکمیل ہوئی لیکن ۱۸۵۰ء میں مرشد آباد سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۹۱۶ء میں عبدالحق نے مرتب کر کے شائع کیا۔
(۴) ۱۹۳۵ء میں دریائے لطافت کا اردو ترجمہ جو پنڈت کیفی نے کیا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے شائع ہوا۔

(ج) رانی کیتکی کی کہانی

(۱) انشآء نے یہ کہانی ۱۸۰۳ء میں لکھی جو ساٹھ (۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) یہ کہانی اردو میں ہے اور اس میں سوائے ہندوستانی کے کسی دوسری زبان کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔

(۳) یہ کہانی پہلی بار ۱۸۵۲ء میں رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور علیحدہ کتاب کی شکل میں ۱۹۳۳ء میں انجمن ترقی اردو سے شائع کی گئی۔

(د) داستان سلک گوہر

(۱) انشاؔ نے یہ کہانی ۱۸۰۰ء اور ۱۸۰۶ء کے درمیان لکھی۔

(۲) یہ کہانی اردو میں ہے جو تقریباً پینتالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

(۳) اس کہانی میں نقطہ دار حروف استعمال نہیں ہوئے یعنی صفت غیر منقوطہ میں لکھی گئی۔

(۴) اس داستان کو مولانا عرشی نے ۱۹۴۵ء میں پہلی بار رام پور سے شائع کیا۔

(ہ) لطائف السعادت

(۱) یہ تالیف انشاؔ کے جمع کردہ (۵۵) لطیفوں کا مجموعہ ہے۔

(۲) اس تالیف کا زمانہ ۱۸۰۳ء سے ۱۸۰۸ء ہے۔

(۳) اصل قلمی مخطوطہ میں سولہ ورق ہیں اور یہ فارسی زبان میں ہے۔

(۴) ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر آمنہ خاتون نے لطائف السعادت کو مرتب کر کے بنگلور سے شائع کیا۔

(و) ترکی روزنامچہ

(۱) یہ ترکی زبان میں (۳۶) دن کا روزنامچہ ہے۔
(۱۲ جولائی ۱۸۰۸ء سے ۱۸ اگست ۱۸۰۸ء)

(۲) اس میں کل (۲۴) صفحات ہیں۔
(۳) ۱۹۶۰ء میں مولانا عرشیؔ نے اس روزنامچہ کا ''نیا دور'' میں تعارف کروایا۔
(۴) ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر نعیم الدین نے اس کا ترجمہ کر کے ترقی اردو بورڈ دہلی سے شائع کروایا۔

(ز) مطر المرام فی شرح قصیدۃ طور الکلام

(۱) یہ چالیس پینتالیس صفحات کا رسالہ ''قصیدہ طور الکلام'' کی شرح ہے۔
(۲) یہ رسالہ فارسی میں ہے جس کا ابتدائی خطبہ عربی میں ہے۔
(۳) ۱۹۷۱ء میں پروفیسر مختار الدین نے اس کا تعارفی نوٹ ارمغان مالک رام میں شائع کیا۔
(۴) یہ کتاب پہلی بار ترجمے کے ساتھ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی نے مرتب کر کے شائع کی۔
(۵) یہ رسالہ کا مخطوطہ ۱۸۱۷ء کی تصنیف ہے۔

زبان دانی

(الف) اردو فارسی، عربی اور ترکی میں شعر کہتے تھے۔
(ب) درفنون عربی و فارسی و ہندی مہارت تمام دارد۔
(احمد علی یکتاؔ، دستور الفصاحت)
(ج) کلیات میں ایک ایسا مختلف السنہ قصیدہ موجود ہے جو بیس (۲۰) زبانوں میں لکھا گیا۔

ہم عصر

(الف) دلی میں = کلیم ثناء اللہ فراقؔ، شیخ ولی اللہ محبؔ، شاہ ہدایتؔ، عظیم بیگؔ، مرزا میڈھو، میاں شکیب، قدرت اللہ قاسمؔ، میرزا مظہرؔ، شاہ عالمؔ، سعادتؔ یار خان، فائقؔ۔
(ب) لکھنو میں = مصحفیؔ، قتیلؔ، راغبؔ، جرات، سلیمانؔ شکوہ، سعادت علی خان۔

شاگردان

(۱) مرزا سلیمان شکوہؔ، متوفی ۱۸۳۸ء
(۲) مکھن لال آرامؔ
(۳) ایسری سنگھ نشاطؔ انہوں نے انشآء کی تاریخ وفات کہی۔
''عرفی وقت تھا انشآءؔ''
(۴) طالب حسین طالبؔ
(۵) راجا بہادر سنگھ بہادرؔ

انشآء خود رانی کیتکی کی کہانی میں کہتے ہیں: ''میں اپنے ان پھول کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں سے کس کس روپ سے پھول اگلتا ہوں۔
یا ایک شعر میں اپنی خوب صورتی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گر نازنیں کہے سے برا مانتے ہیں آپ
میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی

شکل و صورت

(۱) جوان، وجیہہ۔ (علاء الدولہ، تذکرۃ الشعراء)
(۲) جوان، خوش ظاہر وخوش باطن۔ (میر حسنؔ، تذکرۃ الشعراء)
(۳) پری زاد تھے، ہم بھی گھورنے کو جاتے تھے۔ (میر غفر غینی)
(۴) ہمارے درمیان انشآء کی کوئی تصویر نہیں۔ جس تصویر کی شہرت ہے وہ میر انسؔ کی ہے۔

ادبی معرکے

(۱) عظیم بیگ عظیمؔ سے دہلی میں ۱۱۹۵ء.....۱۱۹۶ء کے درمیان
(۲) قدرت اللہ قاسمؔ سے دہلی میں ۱۱۹۶ھ میں
(۳) مصحفیؔ سے لکھنو میں ۱۲۱۰ھ.....۱۲۱۱ھ کے درمیان
(۴) فائقؔ سے دہلی میں (اقامت کے دوران)
(۵) قتیلؔ سے لکھنو میں (سعادت علی خان کی مصاحبت کے دوران)
(۶) راغبؔ سے لکھنو میں ۱۲۲۶ ہجری میں

عادات و اطوار

خوش طبع، شیریں گفتار، ظریف، بذلہ سنج
(۱) پسندیدہ اطوار، بذلہ سنج، شیریں گفتار۔ (بھگوان داس، سفینہ ہندی)

(۲) ظریف بے ہتما' بذلہ سنجی یگانۂ روزگار وبہ ظرافت ولطیفہ گوئی رنگین تر از باغ۔ (یکتاؔ' دستور الفصاحت)

(۳) آدمی در صحبت او غم ہائے زمانہ فراموش می کند۔

(احمد علی سندیلوی' مخزن الغرائب)

خدمات اور کارنامے

(۱) انشاؔء اردو کے وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے چار زبانوں میں یعنی اردو' فارسی' عربی اور ترکی میں شعر کہے۔

(۲) انشاؔء وہ پہلے شاعر ہیں جن کے قصیدے میں بیس (۲۰) زبانوں کے اشعار نظم ہوئے۔

(۳) انشاؔء وہ پہلے اردو کے شاعر ہیں جنہوں نے ایک پورا دیوان ''صفت غیر منقوطہ'' یعنی بے نقط لکھا۔

(۴) انشاؔء کی دریائے لطافت اردو قواعد کی پہلی کتاب ہے جسے ایک ہندوستانی نے لکھا۔

(۵) انشاؔء وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو کے صوتیاتی نظام پر اظہار نظر کیا۔

(۶) انشاؔء نے کہانی رانی کیتکی لکھ کر ہندی کہانی کا سب سے پہلا ''اچاریہ'' عالم کا درجہ حاصل کیا۔

(۷) انشاؔء وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صرف ہندوستانی زبان میں ایک مختصر اور دلکش کہانی رانی کیتکی لکھی۔

(۸) انشاؔء وہ پہلے عظیم شاعر ہیں جن سے پانچ ادبی معرکے ہوئے۔ عظیمؔ مصحفیؔ قتیلؔ' فائقؔ اور راغبؔ۔

(۹) انشاؔء اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنہیں معزول' مجبور اور محبوس کیا گیا۔

(۱۰) انشاؔء وہ پہلے عظیم شاعر ہیں جنہوں نے غزل میں عورت کو جگہ دی' ان کی غزلوں میں عورت کا تصور شدید ملتا ہے۔ مومنؔ متوفی ۱۸۵۱ء ان کے بعد کے شاعر ہیں۔

(۱۱) انشاؔء وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے کثرت سے ''غزل مسلسل'' کا

رواج ڈالا۔ ان کے بعد یہ رواج مقبول ہوا۔ میرؔ، دردؔ اور سوداؔ کے پاس بہت کم مسلسل غزلیں ہیں۔

(۱۲) انشاؔ اردو ادب کے پہلے تنقید نگار ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''فن ایراد'' کا نام دیا اور ''دریائے لطافت'' میں اس پر کام کیا۔

(۱۳) انشاؔ اردو کے وہ عظیم شاعر ہیں جنہوں نے کثرت سے نادر صنعتیں استعمال کیں۔

وصیت

من بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم — لانا بہ جاہ کہ چین ہو مجھ بے قرار کو

لے جائیو برائے زیارت نجف تلک — رکھیو نہ خاک ہند میں اس خاکسار کو

یا کربلا میں روضہ اقدس کے سامنے — دیجو فشار اس مرے مشت غبار کو

سفرِ زندگی

انشاؔء کے آباواجداد کا تعلق نجف اشرف عراق سے تھا۔ انشاؔء کا نسب تیسویں (۳۰) پشت میں امام جعفرؑ صادق تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے وہ خود کو نجفی، جعفری اور حسینی لکھتے ہیں۔ انشاؔء کے پردادا سیّد رشید الدین جعفری بڑے متقی اور پرہیز گار تھے جن کے بارے میں انشاؔء کے پوتے سیّد ہدایت اللہ خان ہدؔا اپنے دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ''سیّد رشید الدین ہر سال پیدل حج کو جاتے تھے۔'' مخزن الغرائب کے مصنف کے قول کے مطابق ان کا قیام کچھ عرصے کیلئے ہندوستان میں بھی رہا۔ انشاؔء کے دادا حکیم سیّد نور اللہ کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی، لیکن وہ واپس نجف چلے گئے جہاں انشاؔء کے والد ماشاء اللہ خان پیدا ہوئے۔ حکیم نور اللہ کی طبابت کی شہرت سن کر فرخ سیر بادشاہ نے انہیں دہلی طلب کیا اور انہیں نواب خان بہادر کے خطاب کے ساتھ زرو جواہر سے مالا مال کیا۔ اسی زمانے میں انشاؔء کے دادا نے دوسری شادی سادات بارہا کے سردار سیّد عبداللہ خان کی بہن سے کی۔ انشاؔء کے والد میر ماشاء اللہ خان شہرت یافتہ حکیم تھے۔ شاعری میں ''مصدر'' تخلص کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ان کی طبابت اور شجاعت کے قصے نظر آتے ہیں لیکن تذکرے مجموعہ نغز اور آبِ حیات میں صرف یہی دو چار سے زیادہ اشعار موجود نہیں۔ ؎

کافر ہو وہ تجھ بن جو کرے چاہ کسو کی
صورت نہ دکھاوے مجھے اللہ کسو کی
دیکھ دزدیدہ نظر سے جو چھپائی آنکھیں
چور زخموں میں پڑے دل کی بھر آئی آنکھیں

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہربان نہ پھرے
پھرے جہاں تو پھرے پر وہ جان جاں نہ پھرے

میر ماشاء اللہ کی بدیہہ گوئی میں شہرت تھی۔ معتبر اسناد اور تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال، دہلی اور اودھ کے حکمرانوں نے ان کی بڑی قدر کی اور انہیں امراؤں کے زمرے میں رکھا۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہاتھی سواری کے ہمراہ رہتے تھے۔ میر ماشاء اللہ کا انتقال ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں ہوا۔ تاریخ وفات انشاء نے ایک عربی عبارت اور دوسری مصرعہ تاریخ سے نکالی۔ ماشاء اللہ خان نے تقریباً اسی (۸۰) سال عمر پائی۔

- کلام اللہ ما شا اللّٰہ کان و ما لم یشاء لم یکن۔ (۱۲۱۵ھ)

سدھارے قبلہ گاہی اس جہاں سے
کہی تاریخ ہاتف نے "دریغا" (۱۲۱۵ھ)

پڑا پھرتا ہے آنکھوں میں ہماری
وہ کنٹھا اور ان کا ٹیڑھا تیغا (۱۲۱۵ھ)

انشاء کی صحیح تاریخ پیدائش کو وثوق کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ادبی تاریخیں اور تذکرے اس کی بابت خاموش ہیں۔ ہم مختلف تاریخوں اور تذکروں کے متن کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ انشاء ۱۷۵۲ء سے ۱۷۵۴ء مطابق ۱۱۶۵ھ سے ۱۱۶۷ھ کے درمیان کسی دن مرشد آباد بنگال میں پیدا ہوئے۔ اس وقت مہابت جنگ علی وردی خان بنگال کے حکمران تھے۔ انشاء بارہ برس کی عمر میں اپنے والد ماشاء اللہ خان مصدر کے ہمراہ فیض آباد آئے اور شجاع الدولہ کے دربار میں داخل ہوئے۔ یہاں پر ان کی تعلیم و تربیت کی تکمیل ہوئی اور یہیں پر ان کی شاعری کا بھی آغاز ہوا چنانچہ اسی زمانے میں انہوں نے سولہ برس کی عمر میں اپنا مختصر سا دیوان بھی مکمل کر لیا تھا۔ انشاء شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد چھ سال تک آصف الدولہ کے دربار لکھنو سے متصل رہے اور اس طرح کل پندرہ سولہ برس اودھ میں گزارے اور ۱۷۸۰ء میں دلی روانہ ہوئے جہاں تقریباً دو سال تک دربار اور بازار میں زندگی بسر کی اور چند مہمات میں شرکت کی اور ۱۷۸۸ء میں لکھنو واپس ہوئے جہاں نواب الماس علی خان شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ اور نواب سعادت علی خان کے دربار سے وابستہ رہے اور ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور لکھنو کے شیر باغ میں

سپرد خاک ہوئے۔ انہوں نے نسیم سحری کو وصیت کی تھی۔

من بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم
لانا بجا کہ چین ہو مجھ بے قرار کو
لے جائیو برائے زیارت نجف تلک
رکھیو نہ خاک ہند میں اس خاکسار کو
یا کربلا میں روضہ اقدس کے سامنے
دیجو فشار اس مرے مشت غبار کو

انشاء نے چھیاسٹھ (۶۶) برس اس دار فانی میں گزارے۔ آپ کے شاگرد اسیری سنگھ نشاط نے قطعہ تاریخ وفات لکھا جس کا شعر یہ ہے۔

سال تاریخ او ز جان اجل
''عرفی وقت بود انشا'' گفت (۱۲۳۲ھ)

مصحفی نے کہا

انشاء اللہ خاں کہ بود از فصحا — زیں دار چوں رفت جانب ملک بقا
تاریخش گفت مصحفی بے کم وکاست — اے وائے کہ مردہ قدر دانِ شعرا

انشاء نے دو شادیاں کیں۔ دونوں بیویاں تمام زندگی انشاء کے ساتھ رہیں۔ پہلی بیوی عاشوری بیگم اور دوسری بیوی اچھی بیگم تھیں۔ ان دونوں بیویوں سے انشاء کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑا تعالی اللہ خان، دوسرا سیّد محمد اور تیسرا سب سے چھوٹا شکر اللہ خاں تھا۔ بیٹیوں میں بڑی بیٹی مولائی بیگم اور چھوٹی بیٹی سلطانہ بیگم تھی۔ بڑے بیٹے تعالی اللہ خان کا انتقال آٹھ سال کی عمر میں اور شکر اللہ کا انتقال چھوٹی عمر ہی میں ہوا۔ سیّد محمد انشاء کے بعد زندہ رہا اور غالباً اسی سے انشاء کی نسل باقی رہی۔ جب تعالی اللہ خان پیدا ہوا تو اس کا ذکر نواب الماس خان کے قصیدے میں اس طرح کرتے ہیں۔

عمر باشد دود مانم بے چراغ افتادہ بود
زیں تاسف دود بر می فاست از راہ مشام
بود انشا اللہ اینک حق تعالیٰ از کرم
داد فرزندی بمن او را تعالیٰ کرد نام

یعنی تمام عمر میری نسل بغیر چراغ کے تھی جس کے افسوس میں میرے دماغ سے دھواں نکلتا تھا لیکن خدا نے اپنے کرم سے مجھے بیٹا عطا کیا جس کا نام تعالیٰ رکھا۔ تعالیٰ خاں خوبصورت اور چہیتا تھا اسی لیے انشاء نے کہا ؎

آفتابی بر زمیں از روئے حسن
یوسف ثانی در ابنائے زماں

یعنی وہ زمین پر حسن میں سورج اور اپنے زمانے کا یوسف ثانی ہے۔ چنانچہ یہ بچہ بیمار ہوا تو انشاء نے لکھا ؎

جلد اچھا ہو یہ تعالیٰ اللہ — یہی انشاء کے گھر کی پونجی ہے
تیری بخشی ہوئی خداوندا — میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے

اس کے انتقال پر صرف انشاء ہی نہیں بلکہ انشاء کے معاصر شعرا جن میں مصحفی اور قتیل شامل تھے تعزیتی قطعات تاریخ وفات رقم کیے۔ انشاء نے چار تاریخیں نکالیں۔

؎ سال تاریخش ز ہاتف خواستم
گفت بر برگ گلم آمد خزاں (۱۲۱۸ھ)

؎ فرمود قیم کوثرش راہ دراز
گرم آمدہ بنوش ایں آب زلال
حوراں گفتند اے عزیز حیدر
وے آل بہی و پاک و معصوم تعال (۱۲۱۸ھ)

ع کہ وائے وائے تعالیٰ جدا شد از انشاء (۱۲۱۸ھ)

؎ یہ تمہارے کوچ کی تاریخ انشاء نے کہی
اے تعالیٰ اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے (۱۲۱۸ھ)

مصحفیؔ = دریں ماتم کشیدہ مصحفیؔ آہ
ہمیں گفتہ تعالیٰ اللہ خاں کو

انشاء کے چھوٹے بیٹے کی وفات پر انشاء نے تاریخ نکالی۔

؎ سال تاریخ جدائی ''وادریغا'' گفت ورفت — اشکر الہ آں ماہ پسر کو بود چوں ماہ ایں چہ شد

انشاء کی بڑی بیٹی مولائی بیگم جو مرزا احمد منشاء کی بیوی تھی چیچک کے عارضے سے ۱۲۲۸ھ میں گزر گئیں۔ ان کی وفات کے وقت ان کی ایک اٹھارہ مہینے کی لڑکی اور آٹھ مہینے کا لڑکا بقید حیات تھا۔ انشاء کی چھوٹی بیٹی سلطانہ بیگم جو میر محمد تقی کی بیوی تھی، انشاء کے بعد زندہ رہیں۔ انشاء کی پہلی بیوی کا انشاء کے کئی سال بعد انتقال ہوا لیکن دوسری بیوی انشاء کے انتقال کے کچھ مہینوں بعد گزر گئیں۔ انشاء کے پوتے سید ہدایت ہدا صاحب دیوان شاعر تھے۔ حیات دبیر کے مولف کے بیان کے مطابق سید انشاء کی حقیقی نواسی جو سید معصوم علی کی بیٹی تھی مرزا دبیر کی زوجہ اور مرزا محمد جعفر اوج کی ماں تھیں۔ اوج کہتے ہیں ؎

نانا ہیں مرے سید عالی نسب انشاء
عاجز ہے خرد ان کے فضائل ہوں کب افشاء

پری خانہ اور تاریخ اودھ کے مصنفوں کے مطابق انشاء کی نواسیاں حیدری بیگم، منجھلی بیگم اور نہنی بیگم کو امجد علی خان اور واجد علی خان کے درباروں سے خطاب اور وظائف دیئے گئے۔ نجم الغنی مصنف تاریخ اودھ نے لکھا ہے کہ نہنی بیگم سے واجد علی نے عقد کیا اور حیدری بیگم ان کی محبوبہ محل تھی۔ محققین کا خیال ہے کہ انشاء کے خاندان کے افراد حیدرآباد دکن (برق مولوی خاندان) لکھنو (فرزندان سعید صاحب) اور نبن صاحب کی (اولاد) سے ہے جس کا کوئی محکم ثبوت ہمارے پاس نہیں۔ عابد پیشاوری اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ مرحوم برق مولوی حیدرآبادی نے ان سے ملاقات کے دوران یہ بتایا کہ ان کے جد شہید جن کا کلام انشاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے قتیل کے شاگرد تھے۔ برق مولوی نے ۱۹۵۹ء میں ایک بوری بھر انشاء کا غیر مطبوعہ کلام زور محی الدین کو دیا جو اردو ایوان حیدرآباد میں Unclassified material کے زمرے میں پڑا رہا۔ اس کے بارے میں کوئی تازہ اطلاعات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ انشاء نے خود اپنی شخصیت اور فن پر جو ریویو کیا ہے اسے ہم ایک غزل مسلسل کے چند شعروں اور چیدہ چیدہ دوسرے شعروں میں دیکھ سکتے ہیں۔

فاضلم علامہ دہرم وحید عصر خود ؎
دیگری چوں من نباشد شاعر شیریں کلام
محض مخصوص جناب سید انشاء بودہ است ؎
این فصاحت ایں بلاغت ایں ہمہ جوش وخروش

ع سعدیٔ وقت ہے انشاء

برب کعبہ کہ ہضماً لنفسہٖ یہ بات
نہیں میں اپنے خصائل کو جانتا ہوں صریح
کٹے بہ لہو و لعب عمر طبع تھی مائل
کبھی بہ حسن ملیح و کبھی بہ رنگ صبیح
فراغ ان سے جو حاصل ہوا تو پیش نظر
رہے مطول و توضیح و سلم و تلویح
گہے تھے اولغ بیگ ہاتھ میں میرے
مطالعہ میں سطرلاب کے گہے تطبیع
لغات غامضہ وہ بولنے تشخص ساتھ
کدھر ہیں اب وہ کہاں فہم وعلم ونطق فصیح
طرق شفا کے اشارات میں جو ہیں تیرے
کہاں سدیدی و قانون ہیچ یہ توضیح

مطول، توضیح، سلم اور تلویح عربی کی مشہور کتابیں ہیں۔تلویح علم اصول فقہ میں، مطول علم معانی میں، توضیح فرہنگ آنند، سطرلاب، سدیدی، قانون اور اشارات نجوم، منطق اور طب کی مشہور کتابیں ہیں۔ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ انشاء کی زبان میں مہارت اور علوم میں مطالعہ وسیع تھا۔

آب حیات میں آزاد نے بیتاب کے قول کو آب حیات پلانے کی ناکام کوشش کی ہے۔بیتاب جو فراغ کے شاگرد تھے کہتے ہیں: ''سیّد انشاء کے فضل وکمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔'' پہلے تو اس قول میں کتنی سچائی اور کتنی ملاوٹ ہے خدا ہی جانتا ہے، دوسرے انشاء نے اپنی تریسٹھ برس کی زندگی میں صرف نو سال سعادت علی خان کی مصاحبت میں گزارے جس کا مثبت اثر دونوں شخصیتوں پر پڑا۔آج دو سو سال گزرنے پر بھی انشاء اپنی نظم ونثر سے زندہ ہیں۔آزاد نے انشاء کی شعری اور ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اردو زبان کا امیر خسرو کہا ہے۔

شخصیت

شخصیت ایک مبہم لیکن مشہور لفظ ہے۔ ارد و ادب میں اس کا مترادف لفظ -Perso nality جو خود شخصیت سے زیادہ مشہور ہے۔ چونکہ شخصیت ظاہری اور باطنی رخ رکھتی ہے اس لیے ایک طرف وہ شخص اور دوسری طرف وہ جامع' سماج یا معاشرے سے بندھی ہوتی ہے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں شخصیت انسان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی بن جاتی ہے اور اس کے بعد کسی حد تک تبدیل کی جاسکتی ہے لیکن اس میں مکمل تغیرات پیدا کرنا ممکن نہیں۔ سماج افراد سے وجود میں آتا ہے اور ہر شخص اس میں ایک منفرد شخصیت رکھتے ہوئے بھی سماجی کی اکائی میں سمایا ہوا ہوتا ہے اس لیے کسی بھی معاشرے میں کسی بھی شخص کے متعلق کئی آراء اور اظہار نظر ہوتے ہیں لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی رنگ باقی رہتا ہے جو زمانہ کی تبلیغ اور تشہیر کے برش سے اس شخصیت پر لگایا گیا ہو۔ تحقیق اور تنقید کا کام شخصیت شناسی کے ذیل میں حساس اور عظیم ہے۔ محقق کو اس میدان میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے فکری' قومی' سماجی' مذہبی اور فطری تعصبات کو علیحدہ کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ شخصیت کے ہر پہلو میں عیب و ہنر تلاش کر سکے ورنہ اس کو ہر عیب' ہنر اور ہر ہنر' عیب نظر آ سکتا ہے۔ اگر شخصیت متنازعہ ہو تو یہ کام اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ انشاءؔ کی شخصیت ایک ایسی ہی متنازعہ شخصیت ہے۔ انشاءؔ پر گزشتہ ڈھائی سو سال میں نہ ان کی زندگی اور نہ ان کے مرنے کے بعد بھی انصاف کیا جا سکا۔ صحیح تو یہ ہے کہ انشاءؔ اپنے وقت سے قبل پیدا ہوئے اور انہیں جو معاشرہ ملا وہ ان کی علمی فکری سطح کے قابل نہ تھا۔

قدرت اللہ قاسمؔ نے اپنے تذکرے ''مجموعہ نغز'' میں جسے ''ہنگام آرا'' احمد علی سندیلوی

نے ''مخزن الغریب'' میں جسے ''بے تربیت شوخی' شیفتہ' اور آزاد نے جسے ''پھکڑ پن'' یا ''بھانڈ پن'' بتایا ہے وہ دراصل انشا کا سماج میں احتجاج ہے کہ انہیں ایک ایسے اصطبل میں باندھا گیا ہے جہاں ہر طرف گدھے بندھے ہیں اور وہ اس معاشرے میں رتبے کے لحاظ سے بلند ہیں۔ وہ اپنے حسب نسب، کسب، علم و فضل، فکر و تخیل، نظم اور نثر پر اتنے ہی بالیدہ ہیں جتنے ان کے معیار کے ہنرمند۔

تعظیم ما اگر نکنی خاک برسرت
خود سیّدیم و عالم و مرتاض عالیم

انہیں فخر ہے کہ وہ پیغمبر زادہ ہیں۔ سیّد نجیب الطرفین ہیں۔ امام جعفرؑ صادق کی نسل میں ہیں۔ ان کے اجداد کلید بردار نجف اشرف ہیں۔ عظیم حکیم کے بیٹے ہیں۔ ذہنی توانائی میں رستم، فکری گہرائی میں ارسطو اور شعر گوئی میں سعدی وقت ہیں۔ اسے شاعرانہ تعلّی کہیں یا خوش فہمی لیکن اگر صحیح ریویو کریں تو معلوم ہوا کہ یہ ''خود فہمی'' بھی ہے۔ انشا اپنی علمیت اور قابلیت اور حقیقت کو سب افراد سے زیادہ خود سمجھتے تھے۔ اسی لیے تو محمد حسین آزاد کو آب حیات میں لکھنا پڑا:

''ایسا طباع اور عالی دماغ انسان ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا۔ وہ اگر علوم میں کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوتے تو صد ہا سال وحید عصر گنے جاتے۔''

انشاء اپنے معاشرے کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ گونا گوں خصوصیات کے حامل ہیں۔

دیوان اردو، دیوان ریختی اور دیوان فارسی کے علاوہ ترکی زبان میں اشعار اور روزنامچہ ترکی ان کی ان عظیم زبانوں پر مہارت کی دال ہیں۔ دیوان بے نقط، قصیدۃ الطّور اور مثنویات ان کی صفت گری کی اسناد ہیں۔ ''دریائے لطافت'' ان کے زبان دانی قواعد لسانی اور صوتی علمیت کی گواہ ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی اور سلک گوہر داستان تخیل اور افسانہ گری کا ثبوت ہیں جو ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ انشا کی شخصیت کی شناخت ان کی انفرادیت تھی اس لیے جس کوچہ میں بھی قدم رکھا اپنے لیے ایک نیا راستہ نکالا اور یہی جدت انہیں جاوید کر گئی۔ شیفتہ نے جو اعتراض انشاء پر اپنے گلشن بے خار میں کیا وہ ان کی جدت نگاری ہی تھی۔ شیفتہ انشاء کو خود اپنی طرح دوسروں کے چبائے ہوئے نوالوں کو چبانے کی دعوت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''ہیچ صنف سخن رابطریق راسخہ شعراء نگفتہ''، یعنی کسی صنف سخن کو قدیم شعرا کے طریقہ پر نہیں کہا۔ شیفتہ شیر کو جھوٹا کھانے کی دعوت دے رہے ہیں۔

یہ تو تمام تذکروں اوران کے دوستوں اور دشمنوں نے لکھا ہے کہ انشآء شریف النفس تھے۔ وہ کبھی کسی معرکہ آرائی کی ابتداءنہیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ فحش اور رزالت سے دور رہتے تھے۔ لیکن جب کوئی انہیں چھیڑتا اور چیلنج کرتا' خواہ وہ کوئی بھی ہوتو پھر ع جواب جاہلاں خموشی باشد پر عمل نہیں کرتے بلکہ میدان میں اتر جاتے تھے۔ ؎

فاضلم علامہ دہرم وحید عصر خود

دیگری چون من نباشد شاعر شیریں کلام

اپنے اور پرائے کا فرق نہیں کرتے' جو کچھ بھی درمے' دامے' سخنے خدمت کر سکتے ضرور کرتے۔ جب خود سلیمان شکوہ کے استاد بنے تو مصحفی کو بھی دربار میں کھینچ لیا۔ اسی لیے تو مصحفی نے انشآء کی موت پر ان کی تاریخ وفات ع ''اے وائے کہ مردہ قدردان شعرا'' لکھی۔ مرزا محمد حسن قتیل کو ادب میں جاودانہ زندگی عطا کرنے کیلئے ''دریائے لطافت'' میں اپنا شریک بنایا۔ یار قدیم سعادت یار خان رنگین کا تذکرہ اور شمار بھی اپنے وقت کے عظیم شعراء میں کیا۔ مرزا مظہر جان جاناں سے ملاقات کرنے بڑے احترام سے ان کے گھر پہنچے اور اس کا ذکر بڑے خوب طریقے سے کیا۔ وغیرہ وغیرہ' اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نرم دل' خوش قلب اور مددگار تھے۔ انشآء کی (٦٦) سالہ زندگی میں صرف نو سال نواب سعادت علی خان کی مصاحبت میں گزرے' کسی لفظ ''انجب'' پر مشکوک فکر کے تحت نواب نے انشآء کو معزول' محبوس اور مجبور کر دیا جس کے نتیجے میں انشآء مجنون ہو کر مر گئے۔ تاریخیں گواہ ہیں فردوسی جیسے عظیم شاعر نے شہنشاہ وقت کی ہجو صرف اس لیے لکھی کہ اس نے جو معاہدہ کیا تھا اس سے کم بھیجا اور فردوسی نے اسے

پرستار زادہ نہایت بکار اگرچہ بود زادۂ شہریار

کہا' لیکن یہ انشآء کی عالی ظرفی تھی کہ ہجو تو درکنار ایک شعر یا ایک لفظ بھی نواب سعادت علی خان کے خلاف نہ لکھا۔ نواب نے ہر روز نئے ستم ڈھائے اور شہر بدر کرنے کی بھی ٹھانی لیکن انشآء جو ؎

بندۂ بوتراب ہے انشآء شک نہیں اس کی خاکساری میں

کے پابند رہے۔ قتیل اور راغب کو معاشرے میں منوایا' تصانیف میں اپنا شریک کروایا لیکن جب ان دونوں نے بھی دغابازی کی تو خاموش ہی رہے۔ جس زمانے میں انشآء کا مصحفی سے معرکہ ہوا اور مصحفی اوران کے شہدے شاگردوں نے فحش' مغلظات اور غیر ناموس اشعار لکھے اس وقت انشآء اگر چاہتے تو ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیتے لیکن صرف قلم کا جواب قلم سے دے کر شمشیر اور شہدوں

سے کام نہ لیا۔ انشاؔ کی زندگی کی روداد دیکھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ قلم اور شمشیر کے آدمی تھے اور کبھی ان کو شہدوں سے بھی سروکار تھا۔

بس ایسے حساس موقع پر یہ کہہ کر خاموش ہوئے

ہے زمانہ یہ برا اپنے غلام انشاء کا
آپ رکھ لیجئے یا حضرت زہراؑ پردا

جب زندگی کے آخری ایام بسر کر رہے تھے اور ان کے یار خاص رنگینؔ اس کسمپرسی کا حال دیکھ کر رو رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ کیسے گزر رہی ہے۔ تو انشاؔء نے زانو پر دھرا سر اٹھا کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ اگرچہ انشاؔء نے شاید اسی حالت کی پیش گوئی یوں کر دی تھی ۔

بس اسی کے لطف سے زندہ ہوں جو حافظ اور کریم ہے
نہ دوا ہی ہے نہ غذا یہاں نہ طبیب ہے نہ حکیم ہے

انشاؔء کے ہم عصر فراغؔ کے شاگرد بیتابؔ کی زبانی آزادؔ نے لکھا: ''انشاء کے فضل و کمال کو شاعری اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبو دیا۔ اس موقع پر ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے مگر صرف یہ کہہ کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ یہ تو انشاؔء کا طفیل تھا کہ اب تک سعادت علی خان کا نام ہماری زبان پر ہے۔ سعادت علی خان کو توفیق اور سعادت ہوتی تو کبھی اس عظیم نابغہ روزگار کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔ انشاؔء کو ملازمت کے دوران دربار میں بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں تھی چنانچہ ایک روز خود انشاؔء بیان کرتے ہیں کہ کسی فالتو درباری کیلئے تمام دن کھڑے ہوئے انتظار کرنا پڑا۔ انشاؔء نے دریائے لطافت میں ''حسن خدمتی'' کے ساتھ ساتھ ''مگس رانی''، یعنی مکھیاں اڑانے کے شغل کا بھی اشارہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اردو کے عظیم ہنرمند اور محسن کا ایسا برا حال کیا جانا شرافت کی نشانی ہے۔ اگرچہ سعادت علی خان بادشاہ تھے لیکن ان کی رگوں میں طوائف کا بھی خون تھا اور انشاؔء کا ''انجب'' کہنا برحق تھا۔ سوانحات سلاطین اودھ میں انشاؔء کو نواب سعادت علی خان کے پیچھے مکھیاں اڑاتے ہوئے دکھایا گیا۔

ع تف بر تو اے چرخ کہن پیر

انشاؔء زندہ دل، محنت کش، منکسر المزاج اچھے انسان تھے۔ جب سعادت علی خان نے معزول اور محبوس کر دیا تو گھر میں طبابت شروع کر دی۔ دوسری ملازمت کی کوششیں شروع کر دیں

اور جب شہر بدر کیے جانے کا خدشہ بڑھا تو کان پور کیلئے تیار ہوئے لیکن استخارہ منع آیا۔ ''ہم اس مقام پر ہرگز قدم نہیں رکھیں گے'' تو منصرف ہوئے اور اپنی حویلی کو فروخت کرنے کی کوشش میں لگ گئے کیونکہ ان کو یقین کامل تھا

کفالت رزق کی کس سے کسی کی ہو سکے انشاء
صفت مخصوص ہے یہ تو فقط اس ذات باری میں

ورد ہو مشکل کشا کے نام کا انشاء جسے
کیوں بھلا دونوں جہاں میں اس کی مشکل حل نہ ہو

اور کبھی اس طرح اپنے حریف اور دشمن کو نصیحت اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔

انشاء حسینؑ کے جو غلاموں میں ہووے شخص
پیش آوے ہم سے کیوں نہ وہ خلق حسن کے ساتھ

میں شاہ خراساں کے غلاموں میں ہوں انشاء
مصروف رہے موسیٰ و ہاروں میرے آگے

بے ادب خدمت سادات میں بولے جو شخص
خوک کا آہنی اس کا ہو سر اور دھڑ پتھر

اس گفتگو کو انشاء ہی کے دو اشعار پر تمام کرتے ہیں۔

آزادگی خوش آئی انشاء کو جب سے یارو
وہ سب کو چھوڑ بیٹھا سب اس کو چھوڑ بیٹھے

دل شاد رکھ انشاء متفکر نہ ہو ہرگز
عقدے ترے حل حضرت شبیرؑ کریں گے

قرآنی استخارے

گزشتہ دو ڈھائی سو سال سے یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ انشا مذہبی اور متقی شخص تھے۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ قرآن مجید کی ہمیشہ تلاوت کرتے تھے۔ انشا کے کلام میں قرآنی آیات، احادیث نبوی ﷺ کے ساتھ حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی مضامین کی کثرت ہے۔ مختلف تذکروں اور ادبی تحریروں میں قرآن مجید کے متعلق انشا کی علمیت اور واقفیت کا اظہار ہے لیکن تقریباً تیس (۳۰) سال قبل قرآن مجید کا جو نسخہ مسجد بھاگل پور بہار میں دریافت ہوا ہے، اس سے ہمیں انشا کے قرآنی استخاروں اور کسی حد تک اُن کی زندگی کے آخری مراحل کے بارے میں مستند اطلاعات حاصل ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ قلمی نسخہ قرآن انشا کی ملکیت میں کم از کم ۱۱۹۵ھ سے اُن کی آخری عمر تک رہا تھا، اس قرآن کے قلمی نسخہ پر دو جگہ انشا کی مہریں بھی کندہ ہیں اور اس نسخہ کے حاشیہ میں (۴۵) پینتالیس استخارے اُن کے نکالنے کے اسباب آیات کے ساتھ درج ہیں۔ ان استخاروں پر ایک جامع مضمون پروفیسر مظفر اقبال صاحب نے ''انشا کی فال گیری'' کے عنوان سے (۱۹۷۷ء) میں آج کل دہلی میں شائع کیا۔ اس قرآن میں صرف چند استخاروں کو چھوڑ کر تمام استخارے تقریباً تین مہینے کی مدت میں ہی دیکھے گئے ہیں۔ تاریخوں کے لحاظ سے پہلا استخارہ ۲۲ صفر ۱۲۲۹ ہجری میں نکالا گیا اور آخری استخارہ ۲۱ جمادی الاوّل کو دیکھا گیا۔ شاید یہ وہی وقت ہے جب انشا نواب سعادت علی خاں کے دربار سے برطرف ہوگئے تھے اور بہت پریشان تھے۔ اسی قرآن کے نسخہ میں ایک ایسا بھی استخارہ موجود ہے جو انشا کے دہلی کے قیام یعنی ۱۱۹۵ہجری اور ۱۱۹۶ ہجری کے درمیانی زمانے میں نکالا گیا ہے۔ ان استخاروں سے انشا کا

استخاروں پر ایقان اور ایمان کے علاوہ امدادِ غیب پر بھروسہ بھی معلوم ہوتا ہے۔

ان استخاروں سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ نواب سعادت علی خان کے دربار میں دوبارہ مراجع کی کوششوں میں تھے لیکن دشمنوں کی سازشوں نے انہوں دوبارہ دربار میں داخل نہ ہونے دیا۔ اِسی دوران انشا نے طبابت بھی شروع کر دی تھی اور اپنے فرزند کو جو صرف بارہ سال کا تھا روزگار پر لگانے کی بھی کوششیں کر رہے تھے۔

انشا کے استخاروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دربار سے نااُمید ہوکر انگریزوں کے پاس نوکری کرنے کے خواہاں تھے لیکن خواہش بھی ان کی پوری نہ ہوسکی۔ انشا کو یہ بھی خدشہ تھا کہ شاید انہیں شہر بدر کر دیا جائے' چنانچہ وہ کانپور جانے کے لیے استخارہ بھی کرتے ہیں۔ قرآن کے نسخہ کے حاشیے میں انشا نے لکھا ''از برائے فتن بہ کانپور ایں فال برآمد'' سورہ حج آیت ۲۴۔ تاریخ ۲۹ صفر ۱۲۲۹ ہجری روز دوشنبہ'' (ترجمہ: سورہ حج آیت ۲۴۔ کہا: اے موسیٰ! ہم تو ہرگز وہاں قدم نہیں رکھیں گے جب تک لوگ وہاں موجود ہیں تو آپ اور آپ کا رب وہاں چلے جائے دونوں لڑبھڑ لیں۔ ہم تو یہاں سے نہیں ہلیں گے)

یعنی شاید اس استخارے سے انشا نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ باہر نہیں کئے جائیں گے۔ انشا ایک استخارہ ۳۰ ربیع الثانی کو انگریزوں کی نوکری کرنے کی بابت دیکھتے ہیں'' دیدم کہ درخانہ انگریزی نوکری من خواہد شد۔ صاحب کلاں خواہش من خواہد کرد۔ ایں فال برآمد سورۂ شعر آیت ۹۔۳۰ ربیع الثانی ۱۲۲۹ ہجری۔ (ترجمہ: آیت نو سورۂ شعرا۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا کسی دوسرے کو سرپرست قرار دیا ہے۔ خدا ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

غالباً انشا نے اس استخارے سے یہ نتیجہ نکالا ہوگا کہ خدا پر بھروسہ رکھا جائے' وہی ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ بہرحال اس استخارے کے تین ہفتے بعد ان استخاروں کا ختم ہو جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ انشا جنون اور ذہنی بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے اور ان کاموں کے قابل نہ تھے۔ ایک استخارہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انشا ایک خط قرآن میں رکھ کر ان کے دیوان کے ہمراہ نواب کی خدمت میں روانہ کرنا چاہتے تھے تا کہ نواب ان کو واپس بلوا لیں اور ان کے دشمن روسیاہ ہو جائیں۔ اس استخارے میں جو وقت نماز صبح کے وقت ربیع

الثانی کی پانچویں تاریخ کو دیکھا گیا۔ سورۂ ابراہیم کی تیرہویں آیت نکلی جس کا ترجمہ ہے کہ اُن کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ چنانچہ اُن رسولوں پر اُن کے رب نے وحی نازل کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ شاید اس استخارے کا جواب انشا نے یہ نکالا ہوگا کہ ان کے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اس برطرفی کے زمانے میں کچھ استخارے انشا نے اپنی بیوی عاشوری بیگم بنت خواجہ اکرم خان کے نام سے انشا کی روزی کی بحالی کے بارے میں بھی نکالے اور بعض استخاروں میں نہ صرف بحالی بلکہ اضافہ تنخواہ کے بھی اُمیدوار ہیں۔ ان استخاروں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انشا اپنا مکان پانچ ہزار روپیوں میں فروخت کرنا چاہتے تھے' لیکن ہمیں اطلاع نہیں کہ انشا نے اپنا مکان فروخت کیا یا نہیں؟ اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ماہ لقا چندابائی سے انشا کے روابط کا پتا ہمیں ان استخاروں سے ملتا ہے۔ چندا بائی نے انشا کو پانچ سو روپے روانہ کئے اور مزید رقم کا انتظار معلوم ہوتا ہے۔ ان استخاروں سے یہ بات ثابت ہے کہ انشا نواب سعادت علی خان کے دربار سے علیحدہ کئے گئے تھے اور وہ اپنی بحالی کی کوششیں کر رہے تھے۔ انہیں شہر بدر بھی ہونے کا شدید خدشہ تھا اور وہ اپنی حویلی کو فروخت کر کے کانپور جانا چاہتے تھے۔ اپنے لڑکے کے روزگار کی کوششیں اور عالی انگریز عہدیداروں کی نوکری کے لیے بھی متمنی تھے اور ان استخاروں کا اچانک ختم ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انشا استخارے نکالنے کے قابل نہ رہے کیونکہ ان کے حالات بدستور خراب اور بدتر ہوگئے اور انہوں نے پھر استخارہ نہیں دیکھا شاید ۲۱ جمادی الاوّل کے بعد کسی دن انشا عدم توازن دماغی کے مرض میں مبتلا ہوگئے ہوں۔ اللہ العالم۔

ہدایت اللہ ہدا اور مرزا محمد جعفر اوج نے جن باتوں کی تردید کی ہے' اور انشا کے شہربدر کئے جانے کے منصوبے کو غلط قرار دیا ہے' اُن مسائل پر یہ استخارے دال ہیں کیونکہ یہ استخارے خود انشا کے خط سے لکھے گئے ہیں۔ یہاں اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ۲۱ جمادی الثانی کے بعد انشا استخارہ دیکھنے کے قابل نہ رہے شاید وہ جنون میں گرفتار ہوگئے' جس کی تردید بھی اُن کے خاندانی بزرگوں نے کی ہے۔

ان استخاروں سے انشا کے خط کی تصدیق معتبر طور پر کی جا سکتی ہے اور ان کے

بعض قلمی نسخوں کو جو ہمارے درمیان موجود ہیں' قاطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہی کے قلم سے لکھے گئے ہیں یا کاتب کے ذریعہ سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انشا بڑے بدخط تھے' اسی لیے بعض استخارے اچھی طرح سے پڑھے نہیں جا سکے۔

انشا نے اپنے استخارے میں جو پانچ ربیع الثانی کو نکالا گیا' ذکر کیا ہے کہ دیوان نواب صاحب کے پاس روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انشا نے روانہ کیا یا نہیں لیکن یہ بات ثابت ہے کہ انشا نے اپنا عظیم دیوان ۱۲۲۹ھ ہجری یعنی اپنے مرنے سے کوئی چار سال قبل مرتب کر لیا ہو لیکن شاید پورا کلیات مرتب نہ کر سکے ہوں۔

حمدیہ اقدار

انشا کے پاس حمد، نعت اور منقبت کے اشعار کی کمی نہیں۔ کلیات کے تقریباً دس پندرہ فیصد اشعار انہی مضامین پر ہیں۔ انشا کے کلیات میں دیوان اُردو، دیوان فارسی، دیوان ریختی، دیوان بے نقط، قصائد فارسی اور اُردو، مخمسات، مثنویات، مستزاد، رباعیات موجود ہیں، ان میں کل اشعار کی تعداد ساڑے آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ حمدیہ مضامین انشا کے ہر دیوان اور ہر صنف سخن میں لکھے ہیں۔ اس تحریر میں ہم نے صرف حمدیہ اشعار کا ذکر کیا ہے جس سے ان کے راسخ یقین اور معرفت کا احساس ہوتا ہے۔ انشا کے کلیات میں ایک اُردو مثنوی ''مرغ نامہ'' ہے۔ کلیات میں اگرچہ اس کے صرف بیالیس (۴۲) اشعار ہیں لیکن جدید تحقیق کے فیض سے اب پوری مثنوی جو دو سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے، دریافت ہوچکی ہے، جس میں مرغ بازی اور مرغ داری کے قواعد نظم کئے گئے ہیں۔ شاید یہ مثنوی سلیمان شکوہ شہزادہ کی خواہش پر کہی گئی ہو، جیسا کہ مثنوی میں کہتے ہیں۔

بس کہ شاہ جہاں قمر تمثال   وہ سلیمان شکوہ بااقبال

انشا کی فطرت قدما کی تقلید اور لکیر کے فقیر کی زندگی بسر کرنے والی نہ تھی۔ بلکہ وہ جو مضمون بھی لیتے تھے، اس میں نئے رنگ بھرتے اور نیا روپ پیدا کرتے، چنانچہ اس مثنوی مرغ نامہ میں موضوع ہیئت کے مطابق پہلے حمدیہ پھر نعتیہ مضامین نظم کئے لیکن حمد میں جو سترہ اشعار پر مشتمل ہے، تمام تر اُن الفاظ سے کام لیا جو مرغ داری اور مرغ بازی سے رابطہ رکھتے ہیں۔ جیسے مرغ زوج، کھانچہ، طائر، مرغ خانہ، بانگ، ماکیان، بیضہ وغیرہ اور اسی طرح کے الفاظ نعت کے اشعار میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ حمد اور نعت کے چند اشعار

بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

حمد ہے فرض اس کی وقت سحر — جس نے کاٹے ہیں مرغ روح کے پر
مرغ زرّین آفتاب فلک — نسر طائر سے لے کے تا بہ فلک
کر کے تن مرغ روح کا ڈھانچہ — جس نے ڈھانکا پر کا کھانچہ
حکم سے جس کے اس زمانے میں — یعنی دنیا کے مرغ خانہ میں
راندں ماکیاں اوج سپر — روز دیتی ہے ایک بیضہ مہر
نیند کو چھوڑ صبح ہے نزدیک — بانگ ہوتی ہے چونک صاح الدیک
محور ذکر ہیں خدا ہیں جملہ طیور — آدمی ہو کے تو کرے ہے قصور
اٹھ کہ وقت نماز جاتا ہے — وقت رازو نیاز جاتا ہے
مرغ جوجانور ہے دیوے اذان — اور سویا کرے تو اے انسان

دو تین نعتیہ اشعار یہ ہیں۔

کر ثنائے رسول ﷺ راہ نما — جس کی نعلین کا ہے سایا ہما
صلوٰۃ اُس پہ بھیجے جاوید — ہے جو ایک آسمان پہ مرغ سفید
گر حمایت کرے نہ اس کی آل — نہ جمیں مرغ تحصل کے پرو بال

صفت غیر منقوط جس میں صرف چودہ حروف تہجی استعمال ہوتے ہیں، انشا نے پوری حمد لکھی جس کے بعض اشعار صاف سلیس اور شگفتہ ہیں، عموماً ایسے اشعار چونکہ برائے صفت ہوتے ہیں، غیر مانوس بوجھل اور ثقیل ہوتے ہیں، لیکن انشا نے ان پتھروں کو بھی ہاتھ لگا کر موم بنادیا۔

اور کس کا آسرا ہو سروگروہ اس راہ کا — آسرا اللہ اور آل رسولؐ اللہ کا
لو دکھاؤ لحمہ اسرار کوہ طور حمد — گرد کر دو معرکہ سو لاکھ مہر و وفا کا
اللہ اللہ کس طرح ہو درک اوہام و حواس — طور کا عالم اُدھر کو کوہ اِدھر ہو کاہ کا
ہو ایسا ہر طرح کا ہم کو آرام و سرور — دور کر دو سو بلا آلام و اکراہ کا

یہی نہیں بلکہ صنعت میں مشکل صنف شاعری یعنی رباعیات بھی نظر آتی ہیں۔

رکھ آس سدا کھا کر انشا اللہ — اللھم ارحم ارحم ارحم ارحم
کم ہوگا دلدّر اور دُکھ کا عالم — کر ورد درود کا سلم ہر دم۔

انشاؔ اُردو، فارسی، عربی اور ترکی میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی ایک حمد مثنوی ''شیر و برنج'' میں بارہ شعروں پر مشتمل ہے جس میں دس شعر عربی اور دو شعر فارسی میں ہیں۔ کچھ عربی اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں جن کی فنی اہمیت کسی بھی طرح سے کسی عظیم عربی شاعر سے کم نہیں۔

ایھا المحمود یا رب الفلق انت خلاق السحاب والشفق

بمسک المحمود باذا الرحمہ یامغیثی یا مقبل العروۃ

اھدنی ربی طریق المصطفیٰ ثم شرمُی بحب المرتضیٰؑ

انشاؔ کے کلیات میں قصیدوں سے پہلے ایک چوالیس (۴۴) اشعار کی حمد ہے جس میں انشاؔ نے طرح طرح کے حمدیہ اور معرفتی مضامین باندھے ہیں اور آخر کے تین شعر نعت اور منقبت پر ختم ہوتے ہیں۔ حمد کے اشعار انشاؔ کی زبان دانی کے علاوہ علمیت کے گواہ ہیں۔

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمحہ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تو نے کھولے
دفعتاً نسخہ افلاک کے جون سات ورق
فرج سے چار عناصر کو یہ دی کیفیت
قید ہستی نے کیا پردۂ اطلاق کوشق
خلق انساں کو کیا نامیہ اس کو بخشی
ہیئت جسم کو کر کے متشکل زعلق
واسطے فائدہ کے لب یہ بنائے اعضا
عانق و کتف ویدہ ساعد و انع مرفق
سمع وذوق وبصر ولمسو شم وہم خیال
بن کہے تو نے دیئے ہم کو کریم مطلق
روز و شب حضرت خلاق تیرے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

سیکڑوں کی طرح کی خلقت کوتو اے رزاق کل
بھیجا نعمت الوان ہے بے طشت و طبق
کہ مجھے دین محمدؐ میں کیا تو نے خلق
ورنہ تھی اور بھی انواع کے ادیان و فرق

پھر منقبتی شعر پر ختم کرتے ہیں۔

اہلبیت نبویؐ کے لیے اے بار الہ
کچھ نہ پہنچے مجھے آسیب جہنم مطلق

انشا کے کلام میں ہر صنف سخن میں حمدیہ اشعار شفاف اور صاف چشمہ کی طرح تشنہ معرفت کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کلیات کا پہلا شعر۔

صنما برب کریم یہاں تیرے ہیں ہر ایک بہ مبتلا
کہ اگر الست بربکم ابھی کہے تو کہیں بلیٰ

دوسری غزل کا پورا مصرعہ آیت قرآنی سے منور ہے۔

۔ اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھا لا
قم خذ بیدے وفقک اللہ تعالیٰ

۔ مجھے کیا ملائک عرش سے مجھے عشق ہے تیرا اے خدا
بہت اُن کو لکھوں تو والسلام علی من اتبع الھدی

کہیں کہتے ہیں۔

۔ بہ یمن سجہ سبحان ربی الاعلیٰ
عطا کرے جو تفضّل سے قدسیوں کا قوت

۔ جملہ اشیائے کائنات کے بیچ ہر طرف جلوہ حمد دیکھو
آیہ انّما تولوا کا ہر طرف جلوہ دیکھو

صائب تبریزی نے کہا تھا۔

۔ دامن ہر گل مگیرد گرد ہر شمعی مگرد
طالب حسن غریب و معنی بیگانہ باش

اور انشا ہمیشہ اچھوتے اور غریب حسن اور معانی کے عشق میں دشت شاعری کو گلستان کرتے تھے۔ حمدیہ مضامین میں بھی انشا بعض اوقات اپنا شوخی کا رخ نہیں چھوڑتے اور مضامین میں عجیب معرفت کے گل کھلاتے ہیں۔

کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی مانگتا
مانگتا بھی اُس سے تو ساری خدائی مانگتا

چادر آب کا گرنا تو پہاڑوں پر دیکھ
واہ کیا حکم ہے یوں جس نے نچوڑے پتھر

اُردو شاعری میں حمد، نعت اور منقبت کے اشعار میں خلط ملط زیادہ نظر آتا ہے۔ جہاں تک صرف حمدیہ اشعار کا تعلق ہے، اُس میں مناجاتی مضامین زیادہ ملتے ہیں، چونکہ دعائیں وسیلے کے ذریعے کرنے کا رواج عام ہے، اس لیے یہ مقبول طریقہ ہمیشہ شعراء کا شیوہ رہا۔ ہم یہاں چند مناجاتی اور دعائیہ رباعیات فارسی اور اُردو میں پیش کرتے ہیں۔ جب لکھنو میں تمام سال بارش نہ ہوئی اور قحط شدید پڑا تو لوگوں کی کسمپرسی اور بدحالی کو دیکھ کر انشا نے طلب باران میں کہا

یارب برسالت محمدؐ رحمی　　یارب بہ صداقت محمدؐ رحمی
من در امت محمدؐ ہستم　　یارب برامت محمدؐ رحمی

رباعی

ہنگام نشاط عیش وعشرت بفرست　　جشن وطرب وسرود و دولت بفرست
عالم می نالد از برائے باران　　ای بار الہ ابر رحمت بفرست

انہی طلب باران کے موضوع کو اُردو رباعیوں میں یوں لکھتے ہیں:

رباعی

ہے خشک پہاڑ کی بھی چھاتی یارب
یہ گرم ہوا نہیں خوش آتی یارب
کر ابر کرم کو حکم برسے ورنہ
ہے گاؤ زمین کی جان جاتی یارب

رباعی۔

یا بارالہ مصطفیؐ کا صدقہ
اولاد بتولؑ مرتضیٰؑ کا صدقہ
برسا دے مینہ ہری بھری ہو خلقت
یارب شہید کربلاؑ کا صدقہ

اسی طرح کی اور بھی رباعیاں عشق الٰہی اور معرفت کردگار میں سرشار ہیں۔

رباعی۔

دل رفت بشت عشق آغام خدا
جانم شد مست عشق آغام خدا
مردم مردم کنون ز جورش مردم
مردم از دست عشق آغام خدا

رباعی۔

ہرچند کہ ہیں بہ حسب ظاہر ہم کم
حق ہم میں ہے اور حق میں الحق ہیں ہم
باور جو نہ ہووے زاہد دن کو دیکھیں
پتلی میں آنکھ کا ہے سارا عالم

انشا کے پاس معرفتی اشعار کے ساتھ ساتھ تصوفی رنگ بھی ظاہر ہے۔ اگرچہ وہ خانقاہ پرست نہیں، لیکن عشق حقیقی میں ایسے مست ہیں کہ

۔ آتی ہے نظر اس کی تجلی میں زاہد
ہر چیز میں ہر سنگ میں ہر خار میں خس میں

۔ ہم ہی تمام عشق کی آتش میں پھنک گئے
اے بے خبر تو ڈھونڈے ہے اب تک سراغ داغ

۔ کیوں شہر چھوڑا عابد غار جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈتا ہے جس کو وہ ہے بغل میں بیٹھا

ے زاہد میرے مولا کے اسرار نہیں پاتا
غافل اُسے کیا پاوے ہشیار نہیں پاتا

انہی معرفتِ عشق حقیقی کو قرآنی آیات کے فقروں سے ایسے زینت دیتے ہیں جس طرح انگوٹھی پر نگینہ۔

ے **نحن اقرب منک من حبل الوریدم خوانده است**
ایں ہمہ نزدیکش اصلاً نمی کوشیم ما

ے عمل **یاحی یاقیوم** کا کہتا ہوں میں انشا
یہ اس کا کوئی سمجھے **یااولی الالباب** کا گٹکا

ے اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذات مولا
والسّابحات سبحاً فاالسابقات سبعاً

ے آد مولا فقر کی صورت　　کل شئے قدیر کی صورت

قلندری درویشی اور قناعت ان کی سرشت میں تھی۔ اسی لیے شاہوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔

ے ان قلندر مشربوں کا وقت خوش انشا
جنہیں خاک صحرائے قناعت پر خوش آیا بسترا

ے جو شخص مقیم رہ دلدار ہے زاہد
فردوس لگے ان کو نہ باغِ اِرم اچھا

ے نہیں ہو صوفیوں کی بات خالی خرق عادت سے
انہیں پر سج گیا ہے التیام و خرق کا جوڑا

ے تھے کمبل پوش ان کے سامنے کیا تذکرہ
صاحب شال و سمور و قاقم و سنجاب کا

ے شوریدگان عشق سے باتوں میں مت اُلجھ
اے بے ادب پرے نہ گروہ خدا کو چھیڑ

ے تو گروہ فقراء کو نہ سمجھ بے جبروت
ذات مولا میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

ے کنج عزلت میں وہی لوگ ہیں مشغول بہ حق
جو درد دل پہ لگا بیٹھے ہیں ابجد کا قفل

ے لو فقیروں کی دعا ہر طرح آباد رہو
خوش رہو موجیں کرو ناز سے رہو شاد رہو

ے عین مستی میں ہمیں دید فنا ہے انشا
آنکھ جب موندتے ہیں سیر عدم کرتے ہیں

انشا درگاہ ایزدی میں نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ نادم اور شرم سار نظر آتے ہیں جو اُن کی عشق الٰہی سے سرشاری کا نتیجہ ہے۔ خدا پر توکل اور اس کا شکر ہمیشہ ان کی زبان پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب کسی قریبی دوست نے عالم جنون اور دماغی بیماری میں خیریت دریافت کی تو انشا کے منہ سے یہی جملہ نکلا: خدا کا شکر ہے اور کچھ شکوہ و شکایت نہیں۔

ے انشا خدا کے فضل پر رکھیئے نگاہ اور
دن ہنس کے کاٹ ڈالیے ہمت نہ ہارے

ے بس اُسی کے لطف سے زندہ ہوں وہ جو حافظ اور کریم ہے
نہ دوا ہی ہے نہ غذا یہاں نہ طبیب ہے نہ حکیم ہے

ے یارب انشا کو سدا عیش وطرب میں خوش رکھ
حیف ہے جور فلک سے ہو حزیں ایسا شخص

فلسفہ توحید میں انشا کے پاس ''ہمہ اوست'' کے علاوہ ''ہمہ از اوست'' کی بھی جھلک نظر آتی ہے۔ ہم ان چند اشعار پر اس تحریر کو ختم کرتے ہیں۔

ے محیط اس میں ہے تمثال جلوہ واجب
اگرچہ آئینہ ممکنات ہے ناسوت

ے وہ جو محومت نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں وہ ہیں
کہ اسی تجلی نور نے ہمیں مثلِ طور دیا جلا

ے ہیں واجب الوجود کے انوار عشق میں
اس کے صفات ذات نہیں ممکنات سے

ے کیوں بہ قید قسم لا الہ الا اللہ
کہ تاب ہجر بس اب مجھ میں اے الہ نہیں

نعتیہ شاعری

انشا اللہ خان انشا کی نعتیہ شاعری سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ انشا کا نعتیہ کلام رسالوں، جریدوں اور اخباروں میں شائع نہیں ہوتا جب کہ بعض ایسے شعراء کی نعتیں مسلسل چھاپی جاتی رہی ہیں جنھوں نے مشکل سے ایک آدھ نعت کہی ہے۔ انشا کا زیادہ تر کلام تلف ہوگیا لیکن جو اُردو اور فارسی کلام ان کے کلیات کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے، تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، جس میں تین نعتیہ مخمس، نعتیہ غزل، کئی نعتیہ رباعیات اور چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار شامل ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد دو سو شعروں کے لگ بھگ ہے۔ تقریباً بیس (۲۰) پچیس (۲۵) اشعار فارسی اور عربی اور باقی اُردو زبان میں ہیں۔ چونکہ نعت عربی، فارسی اور اُردو شاعری کا اہم موضوعی صنف سخن سمجھی جاتی ہے، اس لیے نعت شاعری کی تقریباً ہر صنف یعنی دوہے، مثلث، ہائیکو، قطعہ، رباعی، نظم، غزل، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مسدس، ترجیع و ترکیب بند میں رقم کی گئی اور ہر صنف میں توصیف و تعریف اور تجلیل حضور اکرم ﷺ کی گئی۔ اُردو شاعری کی ابتدا کو اگر امیر خسرو سے منسوب کریں تو خسرو وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ہندووی میں نعت کہی جس کو ڈاکٹر اسپرانگر نے ۱۸۵۲ء میں اپنے مضمون میں داخل کیا۔ یہاں نعت پہیلی کی شکل میں ہے۔

اک پرکھ ہے دی سنوارا   دنیا کا نشان ہارا
وا کے چرنوں لاگ رہو   زیادہ پن نہ منہ سے کہو

اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر محمد علی قطب شاہ متوفی ۱۰۲۰ ہجری جس کا دیوان

پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، صدہا نعتیہ اشعار سے مزین ہے۔ اگرچہ صرف پانچ نظموں کا عنوان نعت ہے لیکن چودہ پندرہ نظمیں میلاد النبیؐ اور معراج جیسے عنوانات کے تحت نعتیہ مضامین سے بھری ہیں۔ یہاں ان مطالب کو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تقریباً اُردو کے ہر عظیم شاعر نے اپنی اپنی ہمت اور صلاحیت کے لحاظ سے دربار نبویؐ میں نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ انشا کی شاعری کی عمر اب دو سو سال سے زیادہ ہے۔ انشا کی شاعری کے دور میں بعض عظیم شعراء عشق مجازی اور عشق حقیقی کے ایوان تعمیر کر رہے تھے بعض معمولی شعرا اپنی چوماچاٹی کی شاعری میں سرگرم تھے۔ ایسے منقلب دوبعدی دور میں نعتیہ شاعری برائے ثواب دارین کی جاتی تھی۔ اِسی لیے اس دور کی نعتیں اور دوسری مذہبی شاعری عموماً عقیدتی لحاظ سے قوی اور فنی لحاظ سے ضعیف تھی لیکن اس دور میں بھی نامور شعراء جیسے سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ اور انشاؔ نے ارسال مضمون کے ساتھ ساتھ فنی پختگی کو ضروری جانا۔

انشا کی نعتیہ شاعری کا سرسری جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اُن کے اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال، جلال، کمال، خصال کے اوصاف اور اقدار سے لبریز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے لے کر بلال تک کی عکاسی ان کے شعروں میں نظر آتی ہے۔ کہیں حضورؐ کے شمائل، فضائل اور خصائل کا حسنِ بیان ہے تو کہیں شفاعت کی اُمید، کہیں دیار مدینہ کے دیدار کی تمنا تو کہیں عرفان، تصوف اور قلندری کی جھلک اور پھر ان مضامین کے ساتھ ساتھ جدّت نگاری، سلیس و سادہ بیانی، شگفتگی اور تازگی ان کی قادرالکلامی ہے یا معجز بیانی ہے۔ انشا نے ایک پانچ بند کا مخمس ''صل علی نبینا صل علی محمدؐ'' کے مصرعہ لکھا جس میں حضورؐ کے فضائل، وصف آل محمدؐ اور درود کی اہمیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہم یہاں اس نعتیہ مخمس کو پیش کرتے ہیں۔

آپ خدا نے جب کہا صل علی محمدؐ　　کیوں نہ کہیں پھر انبیاؑ صل علی محمدؐ
عرش سے آئی ہے صدا صل علی محمدؐ　　نورِ جمال مصطفیٰؐ صل علی محمدؐ
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

عرش کی کچھ نہیں فقط قائمہ جلیل پر　　لوح جبین مہر پر چشمہ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر　　ہے خطِ نسخ سے لکھا شہپر جبریلؑ پر
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

لحہ ذات کبریا باعث خلق جزو کل　　فخر جمیع مرسلینؑ رہبر و ہادی سبل
نور سے جس کے ہوگئی آتش کفر بجھ کے گل　　بعدِ نماز تھا یہی ورد وظیفہ رسل
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور انس و جن　　حور و بہشت کس کو ملی ہے اُس کے بن
واہ عجیب چیز ہے قلب ہو جس سے مطمئن　　انشا اگر نجات چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

انشا کا ایک شاہکار نعتیہ مخمس جو اکتیس (۳۱) بند پر مشتمل ہے، مولوی حیدر علی صاحب کے نعت کے مصرعوں پر تضمین کیا گیا ہے۔ اس نعتیہ مخمس کی تخلیق کے بارے میں خود انشا لکھتے ہیں ''مولوی حیدر علی کسی ضرورت سے لکھنو آئے۔ میں یہ مژدہ سنتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں بے نقط قصیدہ طور الکلام بنایا جس میں کئی صنعتیں رکھی ہیں تاکہ ان کو پسند آئے اور میری عزت افزائی ہو، چنانچہ مولوی صاحب نے قصیدہ سن کر بے حد تعریف کی۔ میرے اصرار پر مولوی صاحب نے وہ قصیدہ جو ہندی زبان میں تھا، جو حضور اکرمؐ کی نعت میں لکھا گیا تھا، سنایا جس کا صلہ ان کو خدا قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔ قصیدہ سننے کے بعد بندہ عاصی نے وہ قصیدہ اُن سے لے لیا۔ جی میں آیا کہ اس کو خمسہ کروں تاکہ دنیا میں یادگار رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ مہم آسانی سے تمام ہوئی۔ اس قصیدے کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔

رسولؐ حق کا محمدؐ نبیؐ خیر الانام
اے فخر کون و مکاں تجھ پر درود و سلام
ہے امر ہم کو بھی صلّوا وسلّموا تسلیم
ہے امتثال امر کا واجب اے مومنان مدام

ہم مضمون کی طوالت کا خیال کرتے ہوئے اکتیس (۳۱) بند کے نعتیہ مخمس سے صرف آٹھ بند پیش کریں گے۔ ہر بند میں پہلے تین مصرعے انشا کے ہیں اور آخری دو مصرعے مولوی صاحب کے ہیں۔

چمن میں کہتے پھرے ہے گلوں سے موج نسیم
درود ورد جو کیجئے تو ہے ثواب عظیم
بہار کہتی ہے یہ شعر واجب تعظیم
ہے امر تم کو بھی صلوات وسلموا تسلیم
ہے امتثال امر واجب اے ذوی الافہام

ظہور جلہ عالم میں ہے یہ سب اُس کا
فرشتے کرتے ہیں مذکور جب نہ تب اُس کا
طیور سدرہ بھی رکھتے ہیں ذکر اب اُس کا
جو میں نے عقل سے پوچھا سبب اُس کا
کہا کہ ملہم حق نے کیا یہ مجھ پہ ہے الہام

پیئے گی امت مرحومہ جرعہ کوثر
نہ فسخ و رسخ سے خطرہ نہ مسخ ہونے کا ڈر
محمدؐ عربی ہے جو اپنا پیغمبرؐ
وہ ہی نبیؐ تھا جب آدم تھا آب وگل اندر
وہی ہوا ہے سب ہی انبیاؑ کا قص ختام

مدار آیہ لولاک و خلقت آدم
حبیب حضرت خلاق و خواجہ عالم
ملیک و ہالک و ملاک کعبہ و زمزم
وہی ہے روز جزا شافع جمیع امم
رضائی اس کی ہے منظور خالق علام

بلند عرش بریں سے بھی اُس کا پایا ہے
خدا نے نور سے اپنے اُسے بنایا ہے
پھر اُس کے سایہ ہو کیوں کر وہ آپ سایہ ہے
شروع صلوٰۃ کہ اللہ اکبر آیا ہے
درود اُس کے سے پایا صلوٰۃ نے انجام

کرے ہے وقت سحر آفتاب جیسے طلوع
اُسی طرح سے سمجھتے ہیں اس کو اہل رجوع
زہی کمال رجوع و خمی وفور خشوع
قعود دال ہے اور سجدہ میم جائے رکوع
چہارم صرف الف چاہتے ہو آیا قیام

درود کے جو موظف ہیں ان کو راحت ہے انہیں کے واسطے آمادہ قصر جنت ہے
یہ راز سمجھے ہے وہ شخص جس کو دقت ہے صلوٰۃ حق سے نبیؐ پر بہ معنی رحمت ہے
لکھا ہے اس کو کتب بیچ مردمان اعلام

مدیح اُس کے ہیں ہر خاص و عام عالم پر یہ سایہ اُس کا رہے گا تمام عالم پر
وہ ذات پاک ہے رحمت تمام عالم پر اُسی کے حکم سے ہے صبح و شام عالم پر
جو ہووے رحمت رحمت اور پر تو عین تمام

مجاز والے نہیں جانتے حقیقت شئے نشہ یہ اُن کو ہے پی ہے جنھوں نے عشق کی مئے
ملے یہ بات ہوا جب کہ دشت الفت طے صلوٰۃ عبد سے معنی میں طلب رحمت ہے
سوا سوال کے بندوں سے کچھ نہ ہووے کام

انشاء کا تیسرا نعتیہ مخمس فارسی میں ہے۔ اس مخمس میں سات بند ہیں۔ اس مخمس میں انشا نے صنعتوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ عدد، حروف اور علم جعفر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ہم اس مخمس کے تین بندوں کو بعینہ فارسی میں اُس کے اُردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس فارسی نعت سے یہ پتا چلتا ہے کہ انشا کا فارسی کلام کسی دوسرے فارسی عظیم شاعر سے کم نہیں۔ شاید اسی لیے انشا نے یہ کہا تھا ؎

شیخ سعدی وقت ہے انشا

ببین برائے رسولؐ چہ شان و تکریم است
کہ جبریلؑ امیں در مقام تسلیم است
بہ عرش اعظم و سیش فخر و تعظیم است
دلیل دعوی انا احمدؐ بلا میم است
کہ تا زیادہ شود عظم شوکت اسلام

یعنی دیکھ میرے رسولؐ کی شان و شوکت ہے کہ حضرت جبریلؑ امین ان کے خادموں میں ہیں۔ خود عرش اعلیٰ اور کرسی کو ان پر فخر ہے اور خود خدا کہتا ہے کہ میں احمد بغیر میم کے ہوں تا کہ اسلام کی شان و شوکت زیادہ ہو۔

کہ حاصل عدد احمد و صلوٰۃ بود
یک است و ہشت و دگر چار چار در احمدؐ
نہ است و سہ و یک و چار در صلوٰۃ عدد
باین دلال کہ و او صلوٰۃ الف باشد
و گرچہ می طلبی والسلام والاکرام

احمد اور صلوٰۃ کے عدد کا حاصل ایک ہے اور آٹھ اور چار چار احمدؐ میں۔ صلوٰۃ کے عدد میں نو، تین، ایک اور چار ہیں کیونکہ صلوٰۃ کا واؤ الف ہے۔ اگر تو ان کا تقاضہ کرے تو تولایق سلامتی اور اکرم ہے۔

بروی خلق جہان غرفہ بہشت کشاد — باین وسیلہ خدائیش خیر دہاد
بحق احمدؐ مرسل وآلہ الامجاد — اجلہ علما را بود ہمین استاد
کنون ز مغنمانت است خجستہ شیام

دنیا والوں پر بہشت کے دریچے کھولے۔ انہی کے وسیلے سے خدا نے مخلوق کو جزائے خیر عطا کیا۔ رسولؐ اللہ اور آل رسولؐ کے طفیل میں ہی اسلام کے عظیم و اکابر علماء بنے اور انہی کے دم سے چیزیں غنیمت اور فرخندہ مقدس درخت ہے۔

انشاء کے کلیات میں نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔ کچھ فارسی اور اُردو رباعیات پیش کی جاتی ہیں۔

یارب برسالت محمدؐ رحمی — یارب بہ صداقت محمدؐ رحمی
من در امت محمد ہستم — یارب برامت محمدؐ رحمی

انشا نے یہ رباعی لکھنو میں قحط پڑنے پر بارش کی طلب میں لکھی تھی۔ دوسری رباعی بھی فارسی میں ہے۔

شک نیست کہ بندہ ام اگر گمراہم — الطاف محمدؐ و علیؑ می خواہم
انشا اللہ جنتی خواہد شد — گو بندہ لا الہ الا اللہم

(یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میں گمراہ بھی ہوں تو اُنہی کا بندہ ہوں اور لطف و کرم محمدؐ اور علیؓ کا خواستگار ہوں۔ انشاء اللہ جنت میں ہوگا کیوں کہ وہ خدائے لاشریک کا بندہ ہے)

انشا نے اپنے فارسی دیوان کی تمہید میں کچھ حمدیہ اور نعتیہ اشعار کہے جن میں سے صرف تین فارسی نعتیہ اشعار ترجمے کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان اشعار سے انشا کی قرآن اور حدیث سے واقفیت اور عربی زبان پر مہارت اور قادر الکلامی ظاہر ہے

؎ افزودہ است رتبہ شان محمدیؐ　عظم و شکوہ و مرتبہ قال و قیل را

(حضورؐ کی عظمت، شکوہ اور رتبہ بہت بلند ہے، جسے بیان نہیں کیا جا سکتا)

؎ انی دخیل بابک یا ایہا الرسولؐ　آفت ز فرط جرم نباشد دخیل را

(اے رسولؐ مجھے اپنے رحمت کے دروازے میں داخل کر لیجئے کیونکہ اس حریم میں گنہگار بھی آفتوں سے دور ہیں)

؎ اے دل فدا اے آنکہ در اوصاف خلق خود
آدم نمود چون من زار و ذلیل را

(اے دل تو حضورؐ پر قربان ہو جا جن کے خلق عظیم کی تاثیر نے مجھ جیسے ذلیل و خوار شخص کو انسان بنا دیا)

انشا اللہ خان جگہ جگہ ثنائے رسولؐ اور درود کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے حضورؐ کی شفاعت پر پورا بھروسہ کرتے ہیں۔ کہیں شوخیانہ شکوہ کرتے ہیں، کہیں اپنا فنی رنگ دکھاتے ہیں۔

؎ دل ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا　ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

؎ کر ثنائے رسولؐ راہ نما　جس کی نعلین کا ہے سایہ ہما

؎ صلوٰۃ اس پہ بھیجے جاوید　ہے جو ایک آسماں پہ مرغ سفید

؎ گر حمایت کرے نہ اس کے آل　نہ جمیں مرغ عقل کے پر و بال

؎ بن دیکھے ہیں جو عاشق نور محمدیؐ
ان کو مناسبت ہے اویس قرن کے ساتھ

؎ رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرسولؐ کا
تو سب میں لو مجھے احمدؐ مختار کی شبیہ

؎ در فردوس پہ کہتے ہیں ملایک کہ یہ جھٹ
کھل پڑے لیجئے اگر نام محمدؐ کا قفل

اس مضمون کے آخر میں نعتیہ اشعار صفت مہملہ یعنی صفت غیر منقوطہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

؎ صد آہ آ کے ورد درود صل علیٰ
محمدؐ و علیؓ وآلہ محال ہوا

؎ حاسد آل احمدؐ مرسل اہل اسلام ہو دلا کس طرح

؎ اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا آسرا اللہ اور آل رسولؐ اللہ کا

منقبتی کلام

اُردو ادب میں منقبت فارسی کے راستہ سے داخل ہوئی۔ اُردو منقبت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اُردو شاعری کی۔ چونکہ اُردو منقبت کا براہ راست تعلق فارسی منقبت سے رہا ہے اِس لیے منقبت کو اُردو اور فارسی خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ منقبت جس کے لغوی معنی بزرگان دین کی تعریف مدح آئمہ معصومؑ اور اصحاب رسولؐ بتائے گئے ہیں لیکن مفہوم کے لحاظ سے یہ وہ صنف سخن ہے جس میں اہلبیت نبویؐ کے خصائل بیان کئے جاتے ہیں۔ اُردو ادب میں خصوصاً جس طرح مرثیہ کے معنی صرف سید الشہداؑ اور ان کے اصحاب کے مصائب اور شہادت کے ذکر کے لیے جاتے ہیں اُسی طرح منقبت بھی اصطلاحی معنی میں صرف آئمہ اثنا عشرہ اور چودہ معصومؑ کی مدح کے لیے مخصوص ہیں۔

اِسے بھی زمانہ کی ستم ظریفی اور اِنشا کی بدقسمتی کہیے کہ ان کے کچھ ادبی مباحثوں اور مناظروں کو ایسا آب و تاب دیا گیا کہ ان کی شخصیت، اور فن انہی معرکوں کی گرد و خاک میں گم ہوگئی اور آج دو صدیاں گزرنے پر بھی ان کے کلام میں موجود ہیرے اور جواہرات جو گرد و خاک کے نیچے دبے ہیں، کوئی دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کلیات اِنشا کا وہ نسخہ جو اِنشا کے مرنے کے بیالیس (۴۲) سال بعد یعنی (۱۸۵۹) میں نولکشور لکھنو سے شائع ہوا۔ اس میں دیوان غزلیات اُردو، دیوان غزلیات فارسی، دیوان ریختی، دیوان بے نقط اور اشخاص، رباعیات، قطعات، پہیلیاں اور فردیات شامل ہیں۔ کلیات میں کل اشعار کی تعداد (۸۶۴۵) کے لگ بھگ ہے، جس میں تقریباً (۲۴۲۶) فارسی اشعار ہیں۔ کلیات کے منقبتی کلام میں تین فارسی قصیدے ہیں جن میں دو قصیدے حضرت علیؑ اور ایک حضرت امام رضا

کی شان میں ہے۔ قصیدہ ''طورالکلام'' جو (۴۸) اشعار پر مشتمل ہے' بے نقط ہے' جس کا مطلع ہے۔

ہلاؤ مروحہ آہ سرد کو ہر گام
کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

اس قصیدے میں اُردو' فارسی' عربی اور ترکی کے اشعار ہیں۔ صنعت مختلف السنہ اورصنعت غیرمنقوط کے علاوہ صنعت ذولسان' صنعت مقلوب متوی اور صنعت منقوطہ کے اشعار اس میں موجود ہیں۔ یہ وہ تنہا غیر منقوطہ قصیدہ ہے جس میں انشا اللہ نے اپنا تخلص ''لواراد اللہ'' لکھا ہے۔

حمد و مالک معلوم لواراد اللہ
ملال اس کا کرو دور دل کو دو آرام

اس شعر میں درود نظم کیا ہے۔

ہو الامام و روح الرسولؐ صل علیٰ
محمدؐ و علیؑ آلہ ہدا الاعوام

صنعت ذوالسان یعنی عربی اور فارسی مصرع ایک ہی شعر میں ہیں

مطہر حرم اللہ اصل مولدہ
گدا در گہ اولا مجالہ در احرام

حضرت علیؑ کی شان میں کہتے ہیں

ادھر کو دادرس مور ہو اگر وہ امام
اُدھر ہو مور و سرسام کاسئہ سرسام
رہا مدام مددگار آدم و حوا
رہا وہ مالک مولود و عالم ارحام
وہ مرد معرکہ آرائے دور کوہ احد
دلاور ہمہ عالم محرک اعلام

اس قصیدے کے عربی اشعار جو ترکیب نحوی میں ہیں۔

ہو الامامؑ واہل الولا عسکرہ
ہو المطاع وہادی کل اہل کلام
ہو الامامؑ لکل الورا ہو الاعلا
مکرم اسد مائل مع الصمصام

انشاءؔ کا دوسرا قصیدہ جو فارسی زبان میں حضرت علیؑ کی شان میں ہے، وہ بھی نظم شاہکار ہے۔ اس قصیدے میں بیالیس (۴۲) اشعار ہیں۔ اس قصیدے میں انشاءؔ نے اپنی فارسی دانی اور قادر الکلامی دکھائی ہے۔ ردیف ''تش آتش'' کے محدود پہلو میں وسعتیں دکھائی ہیں۔

اس قصیدے کا پہلا مصرعہ ہے۔

دارم آہی کہ بود جملہ صفاتش آتش

کچھ اشعار اس کے یہ ہیں۔

ہست ہر مصرعہ برجستہ من برق وشے
کہ زند لفظ ومعانیش ولغاتش آتش
حیدریؑ نعرہ کنوں درکش ومردانہ بزن
برسر بت کوہ ولات ومناتش آتش
ہست انشاؔ ز غلامان تو یاشاہ نجفؑ
دید از لطف تو لاریب نجاتش آتش
اے خوشا وقت کہ خاتون قیامت گوید
داد رامش نکند در عرماتش آتش
اشک از بہر حسینؑ ابن علیؑ ریختہ بود
سرد گردیدہ کنون زان قطر اتش آتش
در فردوس کشودند بیاریش ہمراہ
کہ رجوعی نبرد ہیچ بہ ذاتش آتش

(میرا ہر برجستہ مصرعہ وہ برق صنعت چیز ہے کہ اُس کے الفاظ، معانی اور لغت

آگ لگاتے ہیں۔ نعرہ حیدری کو اب مردانہ وار لگا کر بت کدہ لات اور منات کو آگ لگا دے۔ چونکہ انشا اے شاہ نجف آپ کے غلاموں میں ہے۔ اس لیے آپ کی محبتوں سے ہی بے شک دوزخ کی آگ سے نجات پائے گا)

جرم کی سزا کے بدلے اُس کی آہ کے شعلے کو دوزخ کی طرف لے جاؤ جس سے آگ کانپتی ہے۔ وہ حسینؑ ابن علیؑ کے غم میں آنسو بہا چکا ہے اور جس کی وجہ سے آگ سرد ہوگئی ہے۔ جنت کا دروازہ کھول کر اُس کو اندر لاؤ تاکہ اُس پر آگ کوئی اثر نہ کر سکے۔ ایک اور فارسی قصیدہ حضرت امام رضاؑ کی مدح و ثناء میں ہے جس میں باون (۵۲) اشعار ہیں۔ اس کا مطلع ہے۔

باز وقت است کہ چون کیکاوس	افگر لالہ کند جشن جلوس

دوسرے کچھ اشعار جو سلیس اور آسان فارسی میں ہیں، بغیر ترجمے کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اے بہ فرمان تو ارواح و نفوس	جملہ اجسام ز لطف مانوس
مدح سلطان خراسان می گو	تاشود روح جنابت محسوس
تا برائے تو درین ظلمت قبر	لمحہ نور فروزد فانوس
نور معنی علیؑ ابن موسیٰؑ	نور حق بادشہ کشور طوس
ضامن صحت این نامہ سیاہ	تیر برج شرف شمس شموس

کلیات انشا میں اُردو میں بھی ایک قصیدہ حضرت علیؑ کی شان میں ہے جو ترپن (۳۵) اشعار پر مشتمل ہے جس کی ردیف ''آتش'' ہے۔ اس میں نئے اور اچھوتے مضامین کی کمی نہیں۔ اس کا مطلع ہے۔

نفس گرم وہ کہتا ہوں کہ جس سے ہو جائیں
نسخہ گل کے مجموعہ اوراق آتش

حیدریؑ نعرہ اگر ہند میں کھینچوں ہو مست
ہو گریزندہ سوئے وادی قبچاق آتش

گرچہ میں نوع بشر میں ہوں ولیکن حاشا
کر سکی میرے عناصر میں نہ احراق آتش
یاعلیؑ جب کہ زبان سے کہے انشا اللہ
کرہ نار میں سب بجھ کے ہو بیباق آتش
اس کے اعدا کا جلانا جو نہ ہوتا منظور
خلق کرتا نہ کبھی حضرت خلاق آتش

حضرت علیؑ کی تلوار ذوالفقار اور ان کے گھوڑے کی تعریف میں نئے مضامین دیکھے جس کی چھاپ انیس اور دبیر کے مرثیوں میں نظر آتی ہے۔

ذوالفقار اُس شہ دیں کے ہے باحقاق آتش
یہ وہ ہے آب کہ ایسی نہ ہو براق آتش
اُس کے دلدل کے تصدق ہوں کہ جس کا ہر فصل
ضو میں خورشید صفت وہ تو باشراق آتش
یاشہنشاہ حسینؑ ابن علیؑ کا صدقہ
نہ کرے عنصرے خاکی میرا احراق آتش
نزاع کے وقت دکھانا مجھے اپنی صورت
تا نہ دوزخ میں مرے تن کی ہو مشتاق آتش
صاحب علم لدنی کا فقط ہے یہ فیض
ورنہ کب رہتی ہے گنجائش اوراق آتش
آتش آتش کی ردیف اس میں یہ گرما گرمی
بیٹھے یوں جس کے قوافی میں بہ اغلاق آتش

انشا کے قصائد اور ان کی منقبتیں سودا اور میر کے معیار سے کچھ کم نہیں۔ بہت سے اشعار بیدل کے سبک ہندی کا اثر نمایاں ہے لیکن یہ مضامین انشا کی طبیعت کے خودرو ہیں۔ ان کی فکر کے پرتو ہیں۔ ضائع لفظی میں صفت طباق اربعہ خاک' آگ' ہوا اور آب کا ذکر کیا جائے۔ اگرچہ انشاء صنعتوں کے بادشاہ تھے اور اُن کی کئی غزلوں میں چیدہ چیدہ

اشعار اسی صنعت میں نظر آتے ہیں لیکن ''آتش و باد و آب و خاک'' کی ردیف رکھ کر اپنی پرواز دکھانا انشا جیسے عظیم شاعر کا ہی کام ہے۔ حضرت امام عصرؑ کی شان میں پینتالیس (۴۵) اشعار کا پورا قصیدہ اسی ردیف میں ہے، جس کا مطلع ہے۔

نوع بشر میں تھے نہاں آتش و باد آب و خاک
عشق نے کر دیئے عیاں آتش و باد آب و خاک

نئے اور اچھوتے مضمون دیکھئے۔

تن میں ہمارے جلوہ گر جب نہ تھے ادھر اُدھر
پھرتے تھے مشکل بے کسان آتش و باد آب و خاک

جب نہ رہے گا امتزاج روح کرے گی ابتہاج
دیکھیں گے سوئے آسماں آتش و باد آب و خاک

ہوش و ذکا و فکر و وہم شوق وجود سے لے آئے
واسطے اپنے ارمغاں آتش و باد آب و خاک

انشا بس آگے کچھ تو لکھ وصف دوازدہ امام
خاصہ جنہوں کی چاکری آتش و باد آب و خاک

ہیں وہ چوبارہوں برج چرخ کو جن سے ہے عروج
حکم میں جن کے ہر زماں آتش و باد و آب و خاک

ان کی ولا کے واسطے دہر میں اس طرح ہوئے
موجب رونق جہاں آتش و باد آب و خاک

کن فیکون سے تھا غرض خالق کل کو ان کا خلق
ہوتے وگرنہ رائیگاں آتش و باد آب و خاک

ہیں وہ گروہ اشقیاء ان کے سب اہل بغض انہیں
جی کے نہ دیں کہیں اماں آتش و باد آب و خاک

؎ ایک جلائے ایک اوڑائے ایک ڈوبائے ایک گڑائے
لیویں لپٹ لپٹ کے جاں آتش و باد آب و خاک

پھر اسی قصیدے میں ایک قطعہ دعائیہ لکھتے ہیں۔

؎ میرے عناصر وجود جیسے کے ہیں یہ سب نمود
یعنی کہ ہیں وہ دوستاں آتش و باد آب و خاک

؎ یک صد و بست سال تک اس میں نہ آوے کچھ خلال
چھوڑیں نہ آشنائیاں آتش و باد آب و خاک

؎ جادۂ اعتدال سے ان کو نہ ہووے انحراف
کچھ نہ کریں خرابیاں آتش و باد و آب و خاک

؎ جملہ قوا رہیں بحال ان میں نہ آئے اختلال
روح کے ہوئیں پاسباں آتش و باد و آب و خاک

؎ اور یہ عرض ہے کہ جب چھوڑے ہو بت بدن
اپنے طریق کو ہو رواں آتش و باد و آب و خاک

؎ میرے مواد جسم کے ان میں سے جس قدر ہیں وہ
پہنیں لباس عرشیاں آتش و باد و آب و خاک

ان پانچ قصیدوں کے مجموعی اشعار دو سو چالیس ہیں۔

کلیات انشا میں (۴۲۷) اُردو، (۹۱) ریختی اور بیاسی (۸۲) فارسی غزلیات موجود ہیں۔ تقریباً چالیس سے زیادہ غزلیات میں منقبتی مضامین نظر آتے ہیں۔ اکثر حاصل غزل شعر منقبتی ہوتا ہے یا منقبتی شعر دعائیہ مضمون کی شکل میں ہوتا ہے۔ فارسی کے دیوان میں تین پوری غزلیں منقبت میں ہیں۔ ان میں سات اور آٹھ آٹھ اشعار ہیں۔ ان میں تین فارسی غزلوں کے علاوہ ایک اٹھارہ اشعار کی نظم ''فی بیان خلق امام حسنؑ'' بھی ہے۔ ہم ان غزلوں کے کچھ منتخب اشعار یہاں پیش کرتے ہیں۔

ے عرش عُلا بہ پایہ حیدرؑ نمی رسد
چرخ بریں بہ رتبہ قنبر نمی رسد
جائے کہ بود و باش گدایان ایں در است
وہم و خیال خضر و سکندر نمی رسد
آنرا کہ ہست داغ غلامیش برجبین
یاشان و شوکت شہ خاور نمی رسد
جائے مسیح گرچہ بود چرخ چارمی
حقا کہ بامقام ابوزر نمی رسد
از پور زال ہیچ حکایت مکن کہ او
ہرگز بہ گرد مالک اشتر نمی رسد
ساغر بکف در آیدو گوید بوقت نزاع
نداشتی کہ ساقی کوثر نمی رسد

عرش عالی حیدرؑ کے مرتبہ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ چرخ بریں قنبر (غلام علیؑ) کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس مقام پر حیدرؑ کے در کے گداؤں کی منزل ہے۔ اُس تک خضر اور سکندر کا وہم و خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ جن کی پیشانی پر حیدر کی غلامی کی مہر ہے۔ اُن کی رونق اور شان تو سورج کو بھی حاصل نہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کی جائے گاہ آسمان چہارم ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ وہ بھی علیؑ کے صحابی ابوزر کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ زال کے بیٹے یعنی رستم کا ذکر نہ کرو۔ وہ علیؑ کے سپہ سالار مالک اشتر کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت علیؑ ساغر ہاتھ میں لے کر آئے میرے بالین پر اور کہا کہ کیا سمجھا تو کہ تجھ تک نزاع میں ساقی کوثر نہیں پہنچ سکتے۔

دوسری فارسی غزل کے چند اشعار یہ ہیں:

ے روح القدس دراز کشد برگلیم ما — عیسیٰ دماغ تازہ کند از شمیم ما
گوید بہ موقع ارنی لن ترانی — تاگرد طور شوق در آید کلیم ما
ہرگاہ نام شیر خدا بزبان بریم — دوزخ بسان گر بہ گریزد ز سیم ما

(حضرت جبریلؑ ہماری چٹائی پر لیٹے رہتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ جو چوتھے

آسمان پر ہیں وہ ہماری خوشبو سے خوش رہتے ہیں۔ اگر موقع پر ''ارنی لن ترانی'' کہا جائے تو ہمارا کلیم طور شوق پر جلوہ نمائی کرتا ہے۔ جب بھی ہم شیر خدا کا نام زبان پر لیتے ہیں تو اُس وقت دوزخ ایک بلی کی طرح ہمارے پاس سے فرار ہو جاتی ہے۔)

تیسری فارسی غزل جس میں سات اشعار ہیں' اس کے کچھ اشعار جو وصف حضرت علیؑ اور زائران علی کیلئے ہیں' انشا کے والہانہ عشق کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔

؎ صد مرتبہ زوارؔ ترا دست بوسند　　الیاسؑ و عزیزؑ و خضر و موسیٰؑ و جرجیس
از شعشۂ نور تو دریوزہ نمایند　　خورشید جہاں تاب و مہ و زہرہ برجیس
احکام رسد گر بہ عطارد کہ از انوار　　اوصاف جوانمردی حیدرؑ ہم بنویس
یک شمۂ از ان جملہ نوشتن نہ تواند　　گو سدرہ شود خامہ و افلاک قراطیس
از نشر ریاحین حنین منقبت انشا　　بر بام فلک وجد کند عیسیٰؑ و ادریسؑ

یعنی سو بار تیرے (علیؑ) زواروں کے ہاتھوں کو حضرت الیاسؑ' عزیزؑ' خضرؑ' موسیٰؑ اور جرجیس چومتے ہیں۔ تیرے نور کی شعاعوں کی بھیک سورج' چاند' زہرہ اور برجس مانگتے ہیں۔ اگر الٰہی سے عطارد کو حکم ملے کہ حیدرؑ کی شجاعت کے اوصاف اور تعریف لکھو تو ایک ذرہ برابر بھی اوصاف نہیں لکھے جا سکتے۔ اگرچہ تمام سدرہ کے قلم بنائیں اور افلاک کو صفحات کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اے انشا تیری منقبت کی خوشبو کی مہک سے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور ادریسؑ وجد میں جھومتے ہیں۔

اُردو میں انشا کی تین پوری غزلیں منقبتی مضامین سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک غزل چھوٹی بحر اور محمدؐ کی ردیف میں حق مطالب سے لبریز ہے' اُس کی توضیح اور تشریح کی ضرورت نہیں۔

؎ نظر کر علیؑ کو قرین محمدؐ　　ہوا نور حق ہم نشین محمدؐ
ریاض القدس میں ہیں کہتے فرشتے　　یہ ہے آفتاب جبین محمدؐ
وہ ہے وحی ناطق قرآن ناطق　　وہ ہے جبریلؑ امین محمدؐ
علیؑ سے جن اشخاص نے بغض رکھا　　انہوں نے کیا قصد کین محمدؐ
غرض لعنت اللہ ان ناکسوں پر　　کہ تھے اُفعی آستین محمدؐ
نہیں ماسوا ان کے دنیا میں کوئی　　ضیاء بخش شرح مبین محمدؐ

ایمہ کی تعریف کس سے بیاں ہو منور ہوا اُن سے دین محمدؐ
انہیں بارہوں برج سے میر انشاء ہوئی زیب چرخ برین محمدؐ

ایک غزل پوری نو اشعار کی امام زمانہ کی شان میں ہے، کچھ اشعار یہ ہیں۔

ے اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذات مولا
والسابحات سبحا فالسابقات سبقا
جو شخص جبہ سا ہو خدمت میں یہاں تمہارا
کیوں کر نہ پھر وہ دیکھے لاہوت کا تماشا
ہے یاد میں تمہاری بیٹھا ہوا مراقب
چارم فلک پر عیسیٰؑ کھنچے ہوئے اوداسا
کرو بیاں تمہیں سب کیوں پیشوا نہ سمجھیں
روح القدس ہے ادنیٰ اک بانکا تمہارا
اتنا نہ چھپ کے پھرئے تشریف لائیے بھی
حضرت سلامت انشا ہے آپ ہی کا چیلا

دوسری غزلوں میں چیدہ چیدہ اشعار منقبتی ہیں۔

ے زاہد میرے مولا کے اسرار نہیں پاتا
غافل اُسے کیا پائے ہوشیار نہیں پاتا

ے ہے کون جز ایمہ اثناء عشر یہ خلق
انشا امور دیں میں کرے جن کا اتباع

ے نیابت ہم کو رضواں کی ملی مولا کے صدقے میں
وگرنہ عبدہ دربانی باغ جناں اور ہم

ے محشر کی تشنگی سے کیا خوف سید انشا
کوثر کا جام دے گا مجھ کو امام میرا

ورد ہو مشکل کشا کے نام کا انشا جیسے
کیوں بھلا دونوں جہاں میں اس کی مشکل حل نہ ہو

انشا اپنی استطاعت علمی، فکری اور قادر الکلامی کو حضرت علیؑ کی غلامی کی نیت سمجھتے ہیں اور اسی کو جنت کا پروانہ بھی۔

جب تک نہ غلامان علیؑ کا ہو گزارا
رضوان پکارے ہے کہ جنت نہیں بھرتی

انشا کا گھمنڈ زور یداللہ سے یہ ہے
مل ڈالوں کوہ قاف نرانگشت کے تلے

ہو اک سرمو حیدرؑ صفدر سے جنہیں بغض
الحق کہ وہ کافر ہیں احادیث کی رو سے

ہے مرحلہ خم غدیر آنکھوں میں چھایا
کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں میرے آگے
میں شاہ خراساںؑ کے غلاموں میں ہوں انشا
مصروف رہے موسیٰؑ و ہارونؑ میرے آگے

انشا کے اُردو غزلیات کے دیوان میں ایک سات بند کا مخمس نظر آتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مخمس سلیمان شکوہ کے شعر پر تضمین کیا گیا یا خود انشا نے سلیمان کی طرف سے لکھا ہے۔ اس میں وصف رسولؐ و علیؑ و دیگر ائمہ کا بیان ہے اور مناجاتی اور دعائیہ لہجہ ہے۔

جہاں میں مثل تیمور اور بابر محتشم کیجئے
مسخر جلد قبضہ میں عرب سے تا عجم کیجئے
درود و سورہ انا فتحنا پڑھ کے دم کیجئے
سلیمان کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجئے
امیر المومنینؑ اب اے میرے مولا مدد کیجئے

رسولؐ اللہ اور تم ہو بہم ایک روح دو قالب
مطالب کیوں نہ ہوں اُس کے جو ہووے آپ کا طالب
خدا کے واسطے ٹک آ کے یا بنت نبیؐ غالب
سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنینؑ اب اے میرے مولا مدد کیجئے

انشا نے کئی نظموں، قطعوں اور غزلوں میں دعائیہ اور مناجاتی اشعار لکھے ہیں، لیکن مضامین کو سو رنگ سے باندھتے ہیں، کہیں خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

قلم عفو میری لوح جرائیم پر کھینچ
از لیے حیدر کرارؑ امام اصدق
کلمہ منہ سے دم نزع مری جاری ہو
جب تک آنکھوں میں رہے جان کی ذرہ بھی رمق
ہاتھ سے ساقی کوثر کے پلا دینا جام
عطش روز قیامت سے نہ ہو مجھ کو قلق
اہل بیت نبویؐ کے لیے اے بار الہ
کچھ نہ پہنچے مجھے آسیب جہنم مطلق

کبھی شاہ عالم ثانی کے قصیدے میں منقبتی اشعار کی خوشبو پھیلاتے ہیں۔

شاہ نجفؑ نے قبضہ میں دی جس کے ذوالفقار
دو ٹکڑے جس سے ہووے عذبیش ہو نہ کم

شاہ نجفؑ امیر عربؐ مرتضٰی علیؑ
قبضہ میں تیرے کر دے عرب سے تا بہ عجم
حامی تیرے جمیع امورات کے رہیں
اثناء عشر ایمہ جویں مظہر اتم

اسی طرح جو قصیدہ الماس علی خاں کی مدح میں لکھا، اس کا مطلع اور مقطع اور مدحیہ اشعار منقبتی ہے۔

ساقی کوثرؑ نمی خواہد کہ باشم تشنہ کام
میزنم اطل گراں چند بس تاہم مدام
نور ذات کبریا یعنی علی موسیٰ رضا
ثامن آل عبا و ثانی خیرالانام
ایں ہم از فیضان اسم قائم آلِ عبا است
آنکہ ہست اور مھدیؑ دین دافع کفر و ظلام

انشا بیمار ہو جاتے ہیں تو رسولؐ اور آل رسولؐ کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں کہ دواؤں کے محتاج نہ ہوں۔

طفیل چہرہ نورانی رسول اللہ
بہ یمن مہر نبوتؐ بہ لحہ حسن ملیح
بہ سوز سینہ خیرالنساؑ شیفہ خلق
ملائک آتے ہیں جس کے لیے طواف ضریح
مجھے ایمہ اثنا عشر کے واسطے بخش
جنہوں کو جملہ خلائق پہ تو نے دی ترجیح
علی الخصوص برائے حسینؑ ابن علیؑ
کہ تیری راہ رضا میں ہوا قتیل و ذبیح
شفا تصدیق بیمار کربلاؑ ہو مجھے
سحاب لطف کو کر حکم تا کرے ترشح
بروح حیدر صفدر مجھے نہ کر محتاج
بہ چوب چینی و قیصوم و درج و عتبہ و شیخ

عرفیؔ، انشاؔ سے پہلے اور غالبؔ ان کے بعد اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد اُن کی خاک نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے مرقد کے جوار میں پہنچا دی جائے۔ یہ مضمون تینوں شاعروں کے پاس جداگانہ طریقوں پر ملتے ہیں[1]۔
انشا کہتے ہیں:

؎ من بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم
لانا بجا کہہ چین ہو مجھ بے قرار کو
لے جاویے برائے زیارت نجف تلک
رکھیو نہ خاک ہند میں اس خاکسار کو
یا کربلا میں روضہ اقدس کے سامنے
دیجو فشار اس مرے مشت غبار کو

کبھی بے چین ہو کر کہتے ہیں۔

؎ آؤ مولا فقیر کی صورت
کل شئے قدیر کی صورت

کہیں دل بے قرار کو یوں قرار دیتے ہیں۔

؎ دل شاد رکھ انشا متفکر نہ ہو ہرگز
عقدے تیرے حل حضرت شبیرؑ کریں گے

مشکلات میں پڑتے ہیں تو کہتے ہیں۔

؎ کھول انشا کے لیے قفل در بستہ عیش
یاعلیؑ ہاتھ میں لے تیغ دوسرا کی کنجی

؎ ہے زمانہ بُرا اپنے غلام انشا کا
آپ رکھ لیجئے یافاطمہؑ زہرا پردا

انشا کی منقبت کا اہم رُخ ان کی اہلِ بیت نبویؐ کے در پر جبہ سائی ہے جس کو وہ عظیم اور اپنی زندگی کا ماحصل جانتے ہیں۔

؎ اے نقش بند کن فیکون ایک کھینچ دے
بندے کا دل پہ حیدر کرار کی شبیہ

؎ رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرسول کا
تو سب میں سوجھے احمد مختارؐ کی شبیہ

ے ہفت دوزخ کو بجھا ڈالے غرض ہے وہ شے
آتش دوستی حیدر کرارؑ کی آنچ
بندہ بوترابؑ ہے انشا
شک نہیں اس کی خاکساری میں

انشا نے تقریباً ہر صنف سخن میں منقبتی اشعار نظم کئے چونکہ انشا کا زیادہ کلام ضائع ہوگیا' اس لیے ہمارے پاس ان کے رثائی ادب یعنی مرثیہ سلام اور نوحہ وغیرہ نہیں۔ فارسی اور اُردو میں رباعی کی ہئیت میں حمدیہ' نعتیہ' اور منقبتی اشعار کی کمی نہیں۔ شاید ہی عربی' فارسی اور اُردو میں کوئی ایسی دوسری رباعی موجود ہو جس میں چہار دہ معصومینؑ یعنی محمدؐ فاطمہؑ اور بارہ امام کے ناموں کو اُسی سلسلہ سے نظم کیا گیا ہو۔ یہ اگر انشا کی معجز بیانی اور قادر الکلامی نہیں تو اور کیا ہے؟

ے از بہر محمدؐ و علیؑ و زہراؑ از بہر حسینؑ
صدقہ سجادؑ و باقرؑ و جعفرؑ کا ہو زیب و زین
بہر کاظمؑ بے رضاؑ بہر نقیؑ از بہر تقیؑ
بہر حسنؑ و مہدیؑ دین یا مولا دے مجھ کو حسین

ے امروز حقیقتِ عطش شد معلوم
برمن آورد فوج اندوہ ہجوم
در تشنگی آب سرد خوردم انشا
گفتم صلواۃ برحسینؑ مظلوم

(آج پیاس کی حقیقت اور شدت معلوم ہوئی جب پیاس نے مجھ پر غلبہ کیا۔ جب پیاس کے عالم میں ٹھنڈا پانی پیا تو میرے منہ سے نکلا اے حسین مظلوم آپ پر سلام ہو)

اس فارسی رباعی میں انشا نے اپنا تخلص بڑی خوبی سے نظم کیا۔

ے شک نیست کہ بندہ ام اگر گمراہم الطاف محمدؐ و علیؑ می خواہم
انشا الہ جنتی خواہد شد گو بندہ لا الہ الا اللہم

(اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک گمراہ بندہ ہوں لیکن میں محمدؐ اور علیؑ کے لطف و محبت کا خواستگار ہوں اور انشا اللہ جنتی ہوگا کیونکہ وہ لا الہ الا اللہ کا بندہ ہے)

ایک اور رباعی میں لکھتے ہیں۔

؎ در بحر حقیقت اس عالم چو صدف غواص محمدؐ و گہر شاہ نجف
احباب امواج و اہل بینش کشتی باقی ہمہ خار و خس و خرچنگ خذف

(بحر حقیقت میں عالم سپی کے مانند ہے جس میں غوطہ زن محمدؐ اس میں گہر حضرت علیؑ ہیں۔ ان کے اصحاب اس بحر کی موجیں اور معرفت رکھنے والے کشتی ہیں۔ باقی سب کانٹے، گھانس، ٹھیکرے اور کیکڑے ہیں)

انشاؔ بہت پُر گو شاعر تھے لیکن افسوس کے ان کا زیادہ کلام ضائع ہوگیا۔ اب ان کے کلیات میں ساڑے آٹھ ہزار کے قریب اشعار ہیں۔ جب لکھنو میں کسی سال قحط ہوا تو انہوں نے طلب باران میں دس بارہ سے زیادہ رباعیات لکھیں جو ان کی تیز اور پُر بیانی کی دلیل ہیں۔

؎ یا بار الہ مصطفیٰؐ کا صدقہ اولاد بتولؑ مرتضیٰؑ کا صدقہ
برسا دے مینہ ہری بھری ہو خلقت یارب شہدائےؑ کربلا کا صدقہ

؎ یارب بہ صفا و صدق اصحاب حسینؑ
بنگر برگر یاہائے احباب حسینؑ
لب تشنہ زمین شدہ است باران بفرست
از بہر لب تشنہ بے آب حسینؑ

(اے خدا تجھے امام حسینؑ کے اصحاب کے صدق و صفا کا واسطہ تو حسینؑ کے دوستوں کی گریہ و زاری دیکھ کر پیاسی زمین کے لیے بارش بھیج۔ تجھے حسینؑ کے پیاسے لب کا واسطہ ہے)

انشاؔ نے صفت مہملہ میں بھی منقبتی اشعار لکھے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار یہ ہیں:

؎ عطا کرو اسد اللہ امام انشاؔ کو
علو حوصلہ و کاسہ مدام طہور

ـ آل رسولؐ اللہ سوا ہوا سرا کسی کا انشا کو
اور ہو کس کا اس کو سہارا آہ گروہ اہل صلاح

ـ المدد المدد اور معرکہ آرا کہ مدام
مرد اس معرکہ کا داد رس مرد رہا

ـ صل علیٰ محمدؐ آل رسولؐ کا رہا
ہم کو مدام آسرا صل علیٰ محمدؐ

ـ ممدوح ملک سوار دلدل
داماد رسولؐ سرور کل

آخر میں اس تحریر کو انشا کی غزل مسلسل کے چند شعروں پر تمام کرتے ہیں۔

ـ اُمید مجھے ساقی کوثر سے ہے جس کے
ہے جام تولا سے مرا نشہ دوبالا
قنبر کو کرے حکم کسے جلدی سے خبر لے
انشا ہے غلاموں میں مرے اُس چھڑالا
زنہار نہ پہنچے کہیں آسیب جہنم
اولاد نبیؐ ہے اُسے سایہ میں بُلا لاء
سب اُس کے تصدق سے حسینؑ ابن علیؑ کے
بخشا کے غفور اپنے سے تو جرم و خطا لا

کلام میں عربی زبان

اگر اُردو زبان کے اُن عظیم شاعروں کی فہرست مرتب کی جائے جو زمانے کی ستم ظریفی، تعصبی اور غلط تشہیر کا شکار ہوئے ہیں تو انشا اللہ خان کا نام سرفہرست ہوگا۔ انشا کی شومئی قسمت دیکھئے کہ انہیں مصحفی، قاسم اور منتظر جیسے دانا دشمن اور نواب سعادت علی خان، شیفتہ اور آزاد جیسے نادان دوست ملے۔ یہ تو انشا کی تخلیقانہ قدرت اور ذاتی کمالاتی روشنی تھی جس کی وجہ سے ان کی تجلی اُن گہرے مکر وفریب اور تعصب کے پردوں کو چیر کر ہم تک پہنچی جس سے ہم اس نابغہ روزگار کی عظمت کو کسی حد تک جان سکتے ہیں۔ آج بھی تقریباً دو ڈھائی سو سال کے عرصے میں جہاں ہر قسم کی ادبی سازشوں، سماجی نفرتوں، مذہبی تفرقوں اور سیاسی وحشتوں کے معرکے انجام ہوئے، پھر بھی انشا کا نام اور اُن کا کلام زبان زد عام ہے، جو ان کی ادبی جاودانہ زندگی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ گزشتہ دو ڈھائی سو سال سے انشا کی شخصیت کا بہیمانہ قتل ادب پر چند ادیبوں اور تذکرہ نویسوں کی اجارہ داری کے سوا کچھ اور معلوم نہیں ہوتا۔ جس طرح غالب اور ذوق کا مقائشہ نہیں کیا جا سکتا، اُسی طرح انشا اور مصحفی کا تقابل بھی صحیح نہیں۔ جس طرح ذوق کے شاگرد رشید آزاد جن کو ان کے استاد ذوق کے منہ پر چیچک کے داغ بھی خوبصورت چمکیلے پھولوں کی طرح نظر آئے ہوں اور جنہیں کلام کے خزف کے ٹکڑے الماس اور ہیرے معلوم ہوتے ہوں، وہ عادلانہ ریویو نہیں کر سکتے۔ اُسی طرح مصحفی مصنف تذکرے 'ہندی گویان' مجموعہ نصر کے مصنف' قدرت اللہ قاسم' گلشن بے خار کے مصنف

شیفتہ سے لے کر حسرت، فراقؔ اور ابواللیث صدیقی تک کے افراد صحیح حقیقت بیانی اور انصاف نہ کر سکے جس کا ثبوت گزشتہ بیس تیس سالوں میں ہوا تحقیقی کام ہے اور ڈاکٹر شیام لال کالڑا عابد پشاوری کا تحقیقی مقالہ اس کی مستند دلیل ہے۔

مصحفی تو حریف تھے۔ اس لیے اُن کی شہادت ویسے بھی خود بہ خود مسترد ہے جہاں تک تذکرے نضر کے مصنف قدرت اللہ قاسمؔ کا تعلق ہے۔ وہ خود انشاؔ کے ہم عصر تھے۔ انشاؔ کے حریف عظیم و مصحفی کے دوست اور انشاؔ کی شہرت اور فنی استطاعت سے حاسد۔ اُن کا ریویو بے طرفانہ نہیں۔ تذکرے گلشن بے خار میں مصطفیٰ خان شیفتہؔ کا جملہ ''انشاؔ ہیچ صنف سخن را بہ طریق راسخہ شعرا نگفتہ یعنی انشاؔ نے کوئی بھی صنف سخن کو قدیم راسخ شعرا کے طریقے پر نہیں کیا' آزاد کی سرگردانی کا باعث ہوا۔ آزاد نے جہاں یہ لکھا کہ شیفتہ کا ''گلشن بے خار'' دیکھتا ہوں تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پر لگتا ہے۔ وہیں نادان دوستی میں کہتے ہیں کہ ''انشاؔ کو ان راستوں میں قدم ہی نہ رکھنا تھا تا کہ شیفتہؔ کو یہ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یعنی آزادؔ پھر شیفتہؔ کی طرح انشاؔ کو لکیر کے فقیر اور قدما کے مقلد ہی رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ پھر آگے چل کر کہتے ہیں ''انشاؔ کی طبیعت جو شیر کی طرح کسی کا جھوٹا شکار نہ کھاتی تھی۔ شاعری کی طرف جھکے' جس سے انہیں ربط خداداد تھا۔ اس کوچہ میں بھی اپنا راستہ سب سے جدا تعلق رکھتا ہے' جس میں (۶۷۲) شاعروں کے ذکر میں صرف چھ سات دوست شاعروں پر تبصرہ اور اپنی اور ان کی تعریف ہی ہے۔ اسی لیے تو قطب الدین باطن نے ''گلستان بے خزاں'' میں کچھ غلط نہیں کہا۔ ''گلشن بے خار دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت نوابی پر فریفتہ سب کو حقارت سے یاد کیا' اپنی اوقات برباد کیا۔'' شاید نواب صاحب کے دماغ کو خراب کرنے میں غالبؔ نوازی کا بھی دخل ہوگا۔

؎ غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
نوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

مگر اسی غزل کا دوسرا شعر شیفتہؔ نے غور نہ کیا ورنہ انشاؔ کو قدما پرستی کی دعوت نہ دیتے۔

؎ بامن میاویز اے پدر فرزد آزاد را نگر
ہر کس شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکرد

اس تحریر میں ہمارا موضوع انشا کی عربی استطاعت اور فن شعر و انشاپردازی میں اس کا استعمال ہے۔ انشا کو اپنی زبان دانی پر بڑا فخر تھا۔ اگرچہ انہوں نے دیوان اُردو، دیوان فارسی، دیوان بے نقط اور دیوان ریختی میں جا بجا ترکی، عربی اور فارسی اشعار بھی نظم کئے جو ان کی ان زبانوں پر مہارت دکھانے کے لیے کافی ہیں بلکہ انشا کے کلیات میں ایک قصیدہ ''مختلف السنہ'' نواب سعادت علی خان کی مدح میں بیس (۲۰) زبانوں یا بولیوں پر مشتمل ہے، ملتا ہے جس میں اُردو، فارسی، عربی اور ترکی کے علاوہ خراسانی، ہندی، پنجابی، پشتو، راجستھانی، میراٹھی، کشمیری، بنگالی، برج اور انگریزی وغیرہ کے اشعار ملتے ہیں۔ اسی لیے تو محمد حسین آزاد نے لکھا کہ ''اگر انشا کو اُردو کا امیر خسرو کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔''

تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انشا کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید کی تعلیم سے ہوا۔ انشا کے کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان کو آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور تاریخ و فقہ کے علم سے کامل واقفیت تھی۔ ڈاکٹر شیام لال لکھتے ہیں ''انشا اپنی تمام تر آزادگی اور وارستہ مزاجی کے باوجود صوم وصلوٰۃ کے پابند نظر آتے ہیں۔ قرائن موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشا باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔ اکثر تلاوت قرآن بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنی عربی دانی پر ناز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عربی دانی ہی کی وجہ سے سعادت علی خان ان کی عزت کرتے ہیں۔ قتیل کے حق میں ان کا ایک کبت محض اس لیے وجود میں آیا کہ قتیل نے انہیں معنا کے تلفظ پر ٹوک دیا تھا۔''

مصحفی اگرچہ فن شعر و ادب میں انشا کے پیچھے تھے لیکن عربی میں تو انشا سے مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اپنی کتاب ''ریاض الفصحا'' میں لکھتے ہیں ''این نقص را کہ عربی داں نبودم دریں شہر از خود رفع نمودم۔ غرض آخر عمر از فضل الٰہی بہ عربیت و تفاسیر قرآن سایہ بہم رساندم۔'' شاید ہی اُردو ادب میں کوئی ایسا شاعر ہو جس کو عربی پر اس قدر مہارت ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انشا کے والد ماشا اللہ مصدر نجفی تھے، اور نجف عراق ہی میں ماشا اللہ کی پیدائش ہوئی تھی اور ماشا اللہ ہی انشا کے تحصیل علوم اور فن شعر میں استاد بھی رہے لیکن جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے ''باپ نے بیٹے کو بڑی خوبصورتی سے تعلیم دی مگر بیٹا جو جوہر دار طبیعت ساتھ لایا تھا، اس کی کوئی مثال نہیں۔ ایسا طباع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوگا۔'' انشا کے کلیات کا پہلا شعر جو حمد باری میں ہے، آیت

قرآن کے الفاظ سے منور ہے۔

- صنما بہ رب کریم یہاں تیرے ہیں ہر اک بہ مبتلا
  کہ اگر الست بربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلیٰ

انشا عربی محاورات، عربی ٹکڑے، آیات اور احادیث کے عربی جملے اس طرح تضمین کرتے ہیں جو نہ صرف سلیس اور شگفتہ بن جاتے ہیں، بلکہ اس شعر میں انگوٹھی کے نگینے کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔

- مجھے کیا ملائک عرش سے مجھے عشق ترا ہے اے خدا
  بہت ان کو لکھوں تو والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

- اے عشق مجھے شاہد اصل دکھا
  قم خذ بیدی وفقک اللہ تعالیٰ

- تبت یدا ابی لہب پڑھ کر اے عزیز
  یک چند بھاگ کر کسی کونے میں جب رہے

- ہے مالہ و ماکسب آیا قرآن میں
  ان مال ہووے یعنی سو وہ ما کسب رہے

- نحن اقرب من حبل الورید خوانده است
  این همه نزدیکش اصلاً نمی کوشم ما

- آؤ مولا فقیر کی صورت　کل شے قدیر کی صورت
- نحمدہ و نشکرہ نعبدہ و نسجدہ　زور ملاوے یہاں آتش و باد و آب و خاک
- معنی آیہ و اولی الامر منکم آ　تفسیر بیچ دیکھ لو قرآن کی قسم
- مجتمع المکارم مستحسن ۔ الشیم　مینوع فضل و جودہ سخا معدن کرم
- انی دخیل بابک یاایہا الرسولؐ　آفت ز فرط جرم نباشد دخیل را

ے کو صولت اسکندر و کو حشمت دارا — اے صاحب فطرت
پڑھ فاعتبر و ایاوالی الابصار کا آیا — تا ہو تجھے عبرت

ے مستانہ جو میں نے قدح بنگ چڑھایا — در عالم وحشت
تب خضر پکارا کہ ھنیأ و مریٔا — اب دیکھ حلاوت

انشا کی عمدہ فارسی مثنوی جس کی چنداں شہرت نہیں یعنی مثنوی ''شیر و برنج'' جو بہاء الدین آملی کی مثنوی ''نان ملوا'' کے جواب میں لکھی گئی ہے اس کی تمہید میں بارہ (۱۲) اشعار کے بیس (۲۰) مصرعے عربی اور چار مصرعے فارسی کے ہیں۔ یہ چند نمونے کے اشعار ہی انشا کی عربی مہارت اور زبان دانی پر کافی ہیں۔

ے ایہا المحمود یارب الفلق — انت خلاق السحاب والشفق

ے ان یرانی کشف جلباب السرور — ثم بسقی الراح من کاس الطہور

ے اھدنی ربی طریق المصطفیٰ — ثم شرفنی بہ حب المرتضیٰ

کسی اور موقع پر یہ اشعار نظم کرتے ہیں۔

ے سکت الجیب متانۃ — بقی التلذُّ ذُساریا
آنت مغیث الفقرا ھَب لنا — عافیۃ کافیۃ شافیہ

کیا یہ اشعار کسی عربی شاعر کی طبع زاد رشحات سے کم ہیں۔ کیا اُردو ادب کا دوسرا شاعر اس نفاست اور سلاست سے بحر کا آہنگ اور الفاظ کا ترنم مجروح کئے بغیر انہیں نظم کر سکتا ہے۔ ایسے دہا اشعار کلیات انشا میں جا بہ جا ملتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ بلکہ اس میں بھی انشا صنعت گری دکھاتے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک شعر غیر منقوطہ لکھتے ہیں۔

ے اللہ ور امراد دادہ — اعطا علماً لہٗ السعادہ

مشہور واقعہ ہے کہ نواب سعادت علی خان نے ''ہجر'' کو زبر سے باندھا جس پر ریذیڈنٹ مسٹر بیلی جو شاعر بھی تھے اعتراض کیا اور اُسے خلاف محاورہ کہا لیکن انشا نے حافظ کا شعر پڑھ کر بتایا کہ ''ہجر'' کو زَبَر سے بھی باندھ سکتے ہیں۔

ے شب وصل است و طے شد نامہ ہجر — سلامٌ ھی حتّی مطلع الفجر

اس مسئلہ پر جب قتیل نے اعتراض کیا تو انشا نے ان کو منظوم جواب لکھا جس میں عربی فقرات اور قرآنی آیات کا استعمال بڑے دلکش انداز میں کیا گیا۔ اس بیس (۲۰) اشعار کی نظم کے کچھ اشعار ہمارے مدعا کا ثبوت ہیں۔

؎ انیسا مشفقا بندہ نواز — لم حراتنی قولا ثقیلا
بلا تحقیق لفظ ہجر میں کل — لیا کیوں ہائے حطی کا وسیلہ
نہ چٹکی دل میں لے ''واصبر علی ما — یقولون'' آیہ ہے تیرا دلیلا
ذرا تو سورہ مزمل میں تو دیکھ — کہ ہے بالفتح وہاں ''ہجرا جمیلا''
شب وصل است وطے نافہ ہجر — پڑھے گا یہاں ہر اک گل سے رنگیلا
سلام ھی حتی مطلع الفجر — یہی مصراع ہے اس کا سجیلا

انشا کو عربی زبان پر وہ قادر الکلامی حاصل تھی کہ وہ جس طرح جس لفظ سے کام لینا چاہتے تھے، وہ ان کی تخلیق کی مخلوق بن کر ان کے قلم کے زیرفرمان آ جاتے۔ دیوان بے نقط میں عربی فقروں کی ردیفیں کافیوں کے ساتھ اس طرح بٹھائی ہیں کہ اس سے بہتر قافیے اور ردیف کی چولیں ایک ساتھ جڑ نہیں سکتیں۔

؎ ورد حمد و درود کر ہم دم — کاملا عاملا حماک اللہ
کر دعا اور آل احمد کا — رکھ سدا آسرا حماک اللہ

؎ اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا — آسرا اللہ اور آل رسول اللہ کا

قادر الکلامی اور زبان دانی کا حال یہ تھا کہ انشا نے ہر صنف سخن کے میدان میں گھوڑے دوڑائے اور سب سے سبقت لے گئے۔ رباعی کی ہیئت میں بھی عربی فقرے اور ایک رباعی میں تو پورا نکاح کا صیغہ استعمال کیا جو ان کی معجز بیانی کی دلیل ہے۔

؎ آدام و نشاط عیش کردند ہجوم — ایجاب و قبول جملگی شد مرقوم
با دختر از پیر مغاں عقدم بست — قد قلت قبلت بالصدق المعلوم

دوسری رباعیات کے عربی مصروں کی موزونیت کا جواب نہیں۔

؎ احرام میں لبیک و سعدیک سے دل — خوش کرتے ہیں کو کعبہ رواں ویاں سب دل
ناقوس صنم سے ہم بھی یہاں سنتے ہیں — سبحانک ما خلقت ہذا باطل

ای طائر دل کہ بود عرش ماوا　شد مردہ ز ارتکاب عصیان اینجا
داریم سوال از تو چون ابراہیم　رب نے فکیف تحیے الموتی

انشا کی عربی زبان میں مہارت اور قرآن کریم سے واقفیت اور محبت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خود اپنے نام پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیست آں مرد مسلماں بندہ پروردگار
آنکہ نامش ہیت در قرآن بہ تصریح آشکار

انشا اپنے زمانے کے عالم تھے، ان کی علمیت تاریخ، منطق اور طب میں مسلّم تھی۔ چنانچہ اس شعر میں عربی کی عظیم کتابوں کے مطالعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فراق ان سے جو حاصل ہوا تو پیش نظر
رہے مطول و توضیح و سلم و تلویح

اس تحریر کے اختتام پر ہم صرف یہی کہنا چاہتے ہیں کہ امیر خسرو کو بڑی آرزو تھی کہ وہ بلبل شیراز شیخ سعدی کو ہندوستان دعوت دیں اور ان کا تتبع کریں۔ آزاد نے انشا کو اُردو کا خسرو کہا، لیکن خود انشا نواب کو مخاطب کر کے خود کو سعدی وقت کہتے ہیں

شیخ سعدی وقت ہے انشا
تو ابوبکر سعد زنگی ہے

تصانیف، کلیات

انشا کی تصانیف میں کلیات انشا، دریائے لطافت، رانی کیتکی کی کہانی، سلک گوہر، ترکی روزنامچہ، لطائف السعادت اور مطرالمرام فی شرح قصیدہ طورالکلام شامل ہیں۔ انشا کی تصانیف اُردو شعر و ادب میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ انشا چار زبانوں یعنی اُردو، فارسی، عربی اور ترکی میں مہارت رکھتے تھے اور تقریباً بیس بولیوں کو سمجھتے تھے۔ تب ہی تو انہوں نے ایک قصیدہ چوبیس (۲۴) زبانوں میں سعادت علی خان کے جلوس مسند نشینی پر کہا تھا۔ انشا کے کلیات میں اُردو، فارسی، عربی اور ترکی اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔ انشا کا کلیات پہلی بار ۱۸۵۵ء میں مطبع محمد باقر دہلی سے پھر نولکشور لکھنو سے ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں کل (۸٦۵۰) کے لگ بھگ اشعار موجود ہیں۔ اس کلیات کے دیوان غزلیات اُردو میں (۴۲۷) غزلیں، بارہ اُردو قصیدے، حمد و نعت، مثنویات، قطعات، رباعیات اور فردیات کے جملہ اشعار کی تعداد (۵۴۴۰) ہے۔ دیوان ریختی میں اکیانویں (۹۱) غزلیں، کئی مستزاد، متفرق اشعار اور تین رباعیاں شامل ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد چھ سو (٦۰۰) ہے۔ دیوان فارسی غزلیات میں بیاسی (۸۲) غزلیں، دس قصیدے، مثنویات، قطعات، رباعیات اور منفرد اشعار کی تعداد (۲۴۵۰) کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ دیوان بے نقط اُردو میں پچیس غزلیں، تین رباعیات اور ایک مخمس کے کل اشعار کی تعداد ایک سو اسی (۱۸۰) ہے۔

۱۔ قدیم ترین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء، مطبع محمد باقر۔
۲۔ نولکشور نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء مطبع نولکشور لکھنو (پہلا ایڈیشن)

۳۔ نولکشور نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۴ء مطبع نولکشور کانپور (دوسرا ایڈیشن) کے اجزا کی تفصیل

صفحات = (۴۵۰)

کل اشعار = (۸۶۵۴)

دیوان اُردو = (۴۲۷) غزلیں (۳۵۵۳) اشعار

دیوان ریختی = (۹۱) غزلیں، رباعیات (۳) مستزاد (۵۲ شعر) متفرق فرد (۲۰) شعر، کل اشعار (۶۰۰)

دیوان فارسی = (۸۲) غزلیں (۵۷۴) اشعار

دیوان بے نقط = (۲۵) غزلیں، رباعیات (۳) مخمس (۱) = اشعار (۱۸۰)

قصائد فارسی اُردو، مثنویات فارسی اُردو، ہجویات حشرات و افراد، مخمسات، مقطعات، پہیلیاں، کلام انشا (اُردو کلام کا مجموعہ) مرتبہ محمد عسکری ۱۹۵۲ء میں ہندوستان اکیڈمی الہ آباد سے شائع ہوا۔

دریائے لطافت

دریائے لطافت انشا کی وہ شاہکار نثری تصنیف ہے جو دو سو سال کے عرصے بعد آج بھی اپنی اہمیت اور افادیت میں یکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے دریائے لطافت کے مقدمہ میں بہت سچ کہا کہ ''جو لوگ اصول لسان سے واقف ہیں، وہ سید انشا کی وسعت نظر اور اصابت رائے کی داد دیں گے، اگر آج سید انشا کے اصول پر عمل ہوتا رہا ہوتا تو اب تک اُردو میں بہت کچھ وسعت، لطف اور شیرینی پیدا ہو جاتی۔'' دریائے لطافت درحقیقت انشا کے تحقیقی ذہن اور عمیق مشاہدے کا ثبوت ہے جس کو جدید لسانیاتی شعور کا نقطہ آغاز کہا جا سکتا ہے۔ دریائے لطافت اُردو کی پہلی جامع اور مستند اُردو کی قواعد ہے۔ جسے ایک ہندوستانی نے لکھا۔ اگرچہ کتاب کی زبان فارسی ہے لیکن اس میں نثر اور نظم کی تمام مثالیں اُردو ہی میں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دریائے لطافت وہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو صوتیات سے بحث کی گئی ہے۔ انشا ماہر لسانیت تھے، مجتہد زبان عالم اور شاعر تھے اور ان کی زبان دانی میں ان کا کلیات جس میں کئی زبانوں اور بولیوں کے اشعار ہیں، اس کا ثبوت ہے، چونکہ انشا کو زبانوں کے قواعد سے دلچسپی تھی اسی لیے انہوں نے کہیں ترکی زبان کے قواعد

لکھے تو کہیں عربی اور پشتو زبان کی قواعد لکھی۔ دریائے لطافت کی زبان اتنی دلچسپ اور شگفتہ ہے کہ علی عباس حسینی نے ''اُردو ناول کی تاریخ و تنقید'' میں دریائے لطافت کو ناولوں میں شمار کیا۔ عموماً قواعداور علم لسانیات کی کتابیں خشک ہوتی ہیں لیکن دریائے لطافت میں انؔشا نے اپنی جدت نگاری، اپنی طرز و روش اور قادرالکلامی کی وجہ سے مختلف کرداروں کو پیش کر کے اور مطالب کو ان کے لب ولہجوں میں ادا کر کے اپنامدعا پورا کیا۔ یہاں انؔشا نے محمد حسین آزؔاد کی طرح مطلب کو اپنے تخیل پر قربان نہیں کیا بلکہ مطالب کو رنگین اور روشن کیا تاکہ اچھی طرح سے مسائل واضح ہو جائیں۔

دریائے لطافت کو انؔشا نے ۱۲۲۰ھ میں نواب سعادت علی خان کے ایما پر لکھنا شروع کیا اور دو سال میں یعنی ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں اس کو تکمیل کیا۔

ع اُردوے ناظمی شدہ تاریخ ایں کتاب (انؔشا)

اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں انؔشا لکھتے ہیں: نواب سعادت علی خان نے کہا کہ معاصرین کی ضیافت طبع اور طالبان آئندہ کی رہنمائی کے لیے تم اگر چند روز محنت اُٹھا کر تحقیق لغت و محاورہ وصرف ونحو وغیرہ میں ایک نسخہ مرتب کرو تو بہتر ہے چنانچہ ''ہمیں کہ از زبان مبارک برآمد دانستم کہ آں حضرت را غرض از صرف توجہ بایں ارشاد رمانی فصیحان ہند و ابقائی نام ایں غلام تمتام است۔ دست ہمت بدامن توفیق آو یختم۔''

دریائے لطافت انؔشا کے مرنے کے تقریباً ترتالیس (۴۳) سال بعد یعنی ۱۸۵۰ء میں مطبع عالم مرشد آباد سے شائع ہوئی جس میں (۴۷۶) صفحات ہیں جس میں مقدمہ، شروع کے (۳۰۹) اور آخر کے چودہ صفحات انؔشا نے لکھے اور تقریباً (۱۶۳) صفحات قتیؔل نے لکھے۔ انؔشا نے مقدمہ کے ہمراہ لغت اور اُردو محاورے اور ان کی صحت اور غلطیاں، دلی کی اصطلاحیں اور علم صرف ونحو لکھا اور قتیؔل نے منطق، عروض، قافیہ، علم بیان اور علم بدائع کا حصہ لکھا۔

محققین نے دریائے لطافت میں قتیؔل کی شمولیت کو انؔشا کی دوست نوازفطرت بتایا ہے۔ اگرچہ قتیؔل عروض فارسی پر کام کر چکے تھے لیکن اس علم میں انؔشا کچھ کم نہ تھے اگرچہ انؔشا نے قتیؔل کی شمولیت کو اپنی مصروفیت اور ''لطایف السعادت'' کی تالیف قرار دیا لیکن دراصل انؔشا اپنے دوست کو اس زندہ جاوید شاہکار میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ انؔشا

نے اپنے دوست خاص سعادت یار خان رنگین کو بھی عورتوں کی اصطلاحات' ان کے محاروں کو لکھنے پر مامور کیا اور رنگین جن کی ریختی مشہور تھی' دریائے لطافت کے حصہ دردانہ پنجم میں کچھ اضافات کے ساتھ شامل کئے اور کتاب میں اس کا ذکر کیا۔

انشا چونکہ تخلیق کار تھے اور تقلید سے اجتناب کرتے تھے' اس لیے دریائے لطافت کے بیانات کی تقسیم میں بھی جدت سے کام لیا۔ اس کتاب کو مقدمہ کے بعد ایک صدف یعنی سیپی جس میں پانچ دردانے یا موتی بنایا۔ اس کے بعد سات جزیرے اور پھر ہر جزیرے میں شہر بنا کر کے مطالب پیش کئے۔ تمام کتاب میں تخلیقی روش رکھی اور عربی یا فارسی قواعد کی تقلید نہ کی۔ چونکہ اس مختصر سی تحریر میں پوری کتاب پر ریویو ممکن نہیں اس لیے صرف کچھ نکات بیان کئے جاتے ہیں۔

صدف کے پہلے موتی یا دردانہ کا آغاز اُردو کے حروف تہجی سے ہوتا ہے۔ یہاں حروف تہجی الف' ب' پ' ت وغیرہ کی تشریح نواب سعادت علی خان کی صفتوں سے کی یعنی الف سے مراد نواب کا اقبال' ب سے مراد نواب کی بخشش وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ یہ انداز زیادہ مرغوب نہیں لیکن اس باب میں زبان کی کیفیت اور حروف تہجی کی صوتی اقدار کے بارے میں جو گفتگو انشا نے کی' وہ بہت اہم ہے۔ انشا کے دور میں اُردو کے صوتیات پر کچھ کام نہیں ہوا تھا اور دنیائے ادب میں بھی علوم لسانیات تجربوں کے مراحل طے کر رہے تھے۔ ایسے دور میں انشا کی علمی گفتگو ایسا شاہکار تصور کی جاتی ہے کہ یہ قواعد آج بھی تازہ اور زندہ ہیں۔ اگر علمائے لسان انشا کی قواعد کے اس حصہ پر کسی تعصب کے بغیر تحقیق کریں تو عظیم لسانی مطالب حاصل کر سکتے ہیں۔ انشا زبان کی بنیاد تحریر نہیں بلکہ تقریر بتاتے ہیں۔ انشا دلی کی اُردو اور اس کے لب و لہجہ کو فصیح اس لیے بتاتے ہیں کہ وہ بڑی مدت تک دارالسلطنت رہنے کی وجہ سے عالموں' فاضلوں' امرا دلی اور شاعروں کا گہوارہ رہا۔ اگرچہ وہ آگے چل کر ساری دلّی کو مستند قرار نہیں دیتے بلکہ انہی محلوں کو فصاحت کا مرکز مانتے ہیں جن میں فصیح افراد کی کثرت ہے۔ انشا کے حساب سے اُردو کی کُل آوازیں پچاسی (۸۵) ہیں۔ اسی لیے اُردو کہنے والا ہر زبان کا تلفظ کسی دقت کے بغیر کر سکتا ہے۔

دُردانہ دوم میں اُس زمانے کے لحاظ سے فصاحت کا معیار دہلی اور دہلوی ہونے پر قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ انشا نے دہلی کے بعض محلے جیسے مغل پورہ' کشمیریوں کا محلّہ یا سادات

بارہ کا محلّہ وغیرہ کو فصاحت کے مرکز سے علیحدہ کیا اور انہیں اہلِ زبان نہیں کہا جب کہ وہ افراد جو دہلی میں پیدا بھی نہیں ہوئے لیکن ان کے والدین دہلوی ہیں اور انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم خود یا کسی دہلوی استاد سے دلوائی ہو وہ اہلِ زبان اور فصیح کے زمرے میں آتے ہیں۔ انشا کہتے ہیں دلّی کے دلال جن کی زبان یقیناً غیر فصیح ہے، تمام ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کے مقابلے میں فصیح تر ہیں۔

انشا اہلِ زبان کے لیے روزمرہ، محاورے اور لہجہ یعنی "Accent" پر زور دیتے ہیں۔ وہ لہجہ یعنی دردانہ سوم میں انشا شعراء سے سند دریافت کرنے کو معتبر نہیں مانتے۔ وہ اس بات کے قائل نہیں کہ شعراء سب سے زیادہ فصیح ہوتے ہیں بلکہ وہ شعراء کو شعر کی تخلیق میں غیر فصیح الفاظ کے استعمال پر مجبور بتاتے ہیں، چنانچہ اسی ضمن میر غفر غینی کے منہ سے میر مظہر جان جاناں کے لفظ ''تکوں'' کو غیر فصیح بتاتے ہیں۔

مرزا جان جاناں نے انشا سے بات چیت کے دوران کہا تھا ''اپنے تکوں بھی بدو طفلی سے تمہیں ایسے اشخاص کے ساتھ موانست و مجالت رہا کی ہے۔'' انشا نے لکھا میر غفر غینی کا کہنا ہے ''میر ماشا اللہ خاں بے چارے میر ماشا اللہ کے بیٹے آگے پری زاد تھے۔ ہم بھی گھورنے کو جاتے تھے۔ اب چند روز سے شاعر بن گئے ہیں اور مرزا مظہر جان جاناں کے روزمرے کو نام رکھتے ہیں۔''

اِسی حصے میں وہ علم و فضل کو شعر گوئی سے جدا کرتے ہیں۔ مولوی حیدر علی کے نعتیہ اشعار پر خود انشا نے ایک مکمل مخمس لکھا ''ان کی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' مرزا رفیع اُمّی باشد و شعر را بآں فصاحت و بلاغت بگوید و صاحب قصیدہ (مولوی حیدر علی) مذکور بایں رفعت و تشخص علمی چنین نافہمیدہ راہ رود، جاے عبرت ہے۔''

مرزا سودا نے امی ہوتے ہوئے بھی اتنی فصاحت اور بلاغت سے بھرپور شعر کہے اور مولوی جو علم میں اس قدر سرشناس ہوں نظم میں بغیر سمجھے ایسا راستہ چلے یہ مقامِ عبرت ہے) دردانہ چہارم میں دہلی اور نواح کے محاوروں پر تفصیلی گفتگو ہے۔ اگرچہ محاورں میں تبدیلی یا تصرف احسن نہیں لیکن وہ بھی زمانے کے ساتھ ساتھ زبان کے ارتقائی سفر پر بدل اور منج جاتے ہیں۔ محاروں کی صحت کے لیے اہلِ زبان ضروری ہے۔

دردانہ پنجم میں سعادت یار خان رنگین جن کی ریختہ مشہور تھی، فائدہ اُٹھایا گیا۔

فصیح اور سوقیانا محاورات جو عورتوں میں رائج ہیں اور عورتوں کی اصطلاحیں بھی اس میں شامل کی گئی۔ اس حصہ سے ریختی گویان شعرا کو بڑا فائدہ پہنچا۔

صدف کے دردانوں کے بعد دو جزیرے اور ہر جزیرہ میں شہروں کے تحت مختلف اہم مطالب پیش کئے گئے جو آج بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ انشا یہاں صنعتوں اور الفاظ سے بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر چہ بعض الفاظ خلاف لغت ہوں' لیکن اگر اُردو میں مستعمل ہوں تو وہ نہ صرف جائز بلکہ ان کا خلاف لغت استعمال مستحسن بھی ہے۔ یعنی انشا زبان میں لغت کو نہیں بلکہ چلن کو اہمیت دیتے ہیں۔

بعض عربی اور فارسی کے الفاظ جو تین حروف سے بنتے ہیں' اس میں درمیانی حرف پر اُن زبانوں میں جزم یا سکون ہوتا ہے لیکن اُردو میں اس کو حرکت کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر چہ کہ خلاف لغت ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی شترم کو شرم گرم کو گرَم' علْم کو علَم' قبْر کو قبُر وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔''

انشا کے اس اصُول کو لغت دانوں نے رواج پیدا کرنے نہ دیا جب کہ انشا نے کہا تھا کہ زبان کی بنیاد تقریر ہے' تحریر نہیں اور ''واجب آن است کہ تابع سماعت باشد'' اِسی لیے تو بابائے اُردو عبدالحق نے کہا تھا کہ ''اگر سید انشا کے اصول پر عمل ہوتا رہا ہوتا تو اب تک اُردو میں بہت کچھ وسعت' لطف اور شیرینی پیدا ہو جاتی۔''

الفاظ کی صحت کے بارے میں انشا کہتے ہیں کہ ''ہر لفظ جو اُردو میں مشہور ہوگیا' خواہ عربی ہو یا فارسی' ترکی یا سریانی ہو یا پنجابی اور پوربی' از روے اصل غلط ہو یا صحیح وہ اُردو کا لفظ ہے۔ اگر موافق اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلاف اصل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت و غلطی اُردو میں اس کے استعمال پر ہے کیونکہ جو کچھ خلاف اُردو ہے غلط ہے خواہ اصل میں درست ہو' اور جو کچھ موافق اُردو ہے' درست ہے' خواہ اصل میں صحت نہ رکھتا ہو۔

دریائے لطافت کے جزیرے سوم سے جزیرے ہفتم تک قتیل نے منطق' عروض' قافیہ' بیان اور بدائع کا حصہ لکھا اور آخر میں چودہ صفحات پر انشا نے اقسام شعر لکھ کر کتاب کو تکمیل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قتیل نے سوقیانہ زبان اور اصطلاحات سے ان حصوں کو تکمیل کیا۔ شاید وہ انشا کی شوخیانہ طرز کی نقالی کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال یہ حصہ

دریائے لطافت کا اس لیے بھی زیادہ ضروری نہیں کہ یہ عموماً عربی اور فارسی عروض و قافیہ کے اصولوں کی نقل ہے جب کہ ارکان افاعیل اور اصطلاحوں اور مثالوں کو ہندی اُردو نام دیئے گئے جن کے سمجھنے میں آسانی تو نہیں بلکہ مشکل ضرور پیش آتی مفاعیلن کو''پری خانم'' فاعلن کو''چت لگن'' فاعلاتن کو''نور بائی'' متفاعلن کو''چتوت ستی'' مفاعلتن کو''بناس پتی'' فعولن کو''پیاز و'' اور فعول کو''نگوڑ'' جیسے الفاظ سے بدل دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حروف ربط کو ''جوڑ'' موضوع کو''بول'' تصدق کو''جوں کا توں'' علم کو''گیان'' علم حصولی کو''پردھیان'' اور علم حضوری کو''آپ گیان'' جیسے مشکل الفاظ اور ادق الفاظ سے مشکل تر کر دیا گیا۔ ہمیں یقین ہے اگر اس حصے کو بھی اِنؔشا لکھتے تو زعفران کا باغ بنا دیتے۔

اس کتاب کو ۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد سے شائع کیا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کا اُردو ترجمہ جسے پنڈت کیفی نے کیا' اورنگ آباد سے شائع کیا گیا جس میں کیفی لکھتے ہیں:

> ''اِنؔشا کا یورپ کی زبانوں اور علم و ادب سے ناواقف ہونے کے باوجود ایسی کتاب تصنیف کرنا' اس کی یہ پرواز رکھنا ان کی دقت نظر اور سائنٹفک تنقید اس روشنی کے زمانے میں محیرالعقول ہے۔''

رانی کیتکی کی کہانی

اِنؔشا کا ایک طبع زاد واقعہ رانی کیتکی کی کہانی بھی ہے۔ یہ کہانی ۱۸۰۳ء کے لگ لکھی گئی چونکہ ہمارے درمیان کوئی قاطع تاریخ یا مادہ تاریخ اس کہانی سے متعلق موجود نہیں' اس لیے اس کے سن تصنیف پر بعض محققین اور مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ بہرحال اس تصنیف کو ۱۷۹۸ء اور ۱۸۰۳ء کے درمیان بتایا گیا ہے۔ یہ پوری کہانی تقریباً پچاس ساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کہانی کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں اُردو (ہندی) کے علاوہ کسی دوسری زبان کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جیسا کہ خود اِنؔشا نے لکھا ہے''ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کوئی کہانی ایسی کہئے جس میں ہندوی چھٹ کسی

اور بولی کا پُٹ نہ ملے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ میں نہ ہو۔ ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا پن بھی نہ ہو۔'' اس کہانی کی دریافت مسٹر ایل کلینٹ نے کی اور اسپرینگر کے کہنے پر کہانی کے ایک حصہ کا ترجمہ کر کے ایشیاٹک سوسائٹی جرنل بابت ۱۸۵۲ء میں A Tale By Insha کے عنوان اور مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جس میں بہت غلطیاں تھیں، چنانچہ مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۶ء میں تصحیح کر کے انجمن اُردو اورنگ آباد کے رسالہ ''اُردو'' میں شائع کیا۔ اس کو کتابی صورت میں مقدمہ کے ساتھ ۱۹۳۳ء میں مطبع اورنگ آباد سے شائع کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں مشہور افسانہ نگار انتظار حسین صاحب نے ''انشا کی دو کہانیوں'' کے عنوان پر پاکستان سے شائع کیا۔ چونکہ اس کہانی میں سوائے اُردو اور ہندی کے کسی اور زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے ہندی علماء نے اِسے ہندی کی کہانی بتایا ہے اور اسی کہانی کی وجہ سے انشا کا شمار ہندی کے چار عظیم آچاریوں یا علماء میں ہوتا ہے۔
ڈاکٹر گیان چند نے اُردو کی نثری داستان میں اس کہانی کو اُردو ہی کی کہانی بتاتے ہوئے کہا کہ انشا اُردو کے ادیب تھے اور اُردو ہی کے شاعر بھی تھے۔ ان کے پاس کوئی اور داستان اس کہانی کے سوا ہندوستانی میں نہیں۔ اس کہانی کو اُردو رسم الخط ہی میں لکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی کتابی شکل بعد میں دیوناگری میں ہوئی۔ کہانی کی ابتداء میں حمد، نعت اور منقبت ہے جو ہندی کہانیوں میں نہیں ہوتی۔ اس کہانی میں سوائے ایک ''کبت'' کے تمام اشعار اُردو مروجہ اوزان میں ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہندی کہانی میں فارسی، عربی یا کسی دوسری زبان کے الفاظ نہ ہونا کوئی کمال نہیں۔ انشا کمال اور ہنر دکھانا چاہتے تھے، اس لیے اُردو میں ایسی کہانی تحریر کی۔

انشا کی یہ کہانی آسان اور سلیس زبان میں ہے۔ اس کہانی میں ہندوستانی سماج کے زندہ معاشرت اور خالص تمدن کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ اس کہانی میں تسلسل اور تکمیلہ ہے۔ اس کہانی کا پلاٹ کچھ اس طرح ہے۔

کسی زمانے میں کسی ملک کے راجا کا نام سورج بھان تھا۔ اُس کا اکلوتا بیٹا کنور اودے بھان، شکار کھیلتے ہوئے ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے جنگل میں کھو گیا۔ جہاں اُس کی ملاقات راجا جگت پرکاش کی سندر لڑکی رانی کیتکی سے ہوئی۔ اودے بھان رانی کیتکی پر عاشق ہو گیا اور رانی کیتکی کی سہیلی مدن بان کے کہنے پر اس کو انگوٹھی پہنائی۔ اودے بھان

کی حالت دیکھ کر اُس کے باپ نے کیتکی کے باپ جگت پرکاش کے پاس پیغام بھیجا لیکن چونکہ دونوں راجاؤں میں دشمنی تھی، اس لیے کیتکی کے باپ نے پیغام کو واپس کر دیا اور پھر دونوں راجاؤں میں لڑائی شروع ہوئی۔ کیتکی کے باپ کو جب شکست ہوتی نظر آئی تو اس نے اپنے گرو مہندر کو کیلاش پہاڑ سے بلوایا جس نے اپنے جادو سے اودے بھان اور اس کے ماں باپ کو ہرنوں میں تبدیل کر دیا جو جنگلوں میں زندگی بسر کرنے لگے۔ کیتکی نے اپنی آنکھوں میں بھبھوت لگایا جس سے وہ نظر نہیں آتی تھی اور جنگل میں اودے بھان کی تلاش میں نکل پڑی۔ کیتکی کا باپ اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر پشیمان ہوا اور پھر اپنے گرو مہندر کی مدد سے اودے بھان اور اُس کے ماں باپ کو انسان بنا دیا اور پھر عزت و احترام سے شادی رچائی۔''

کہانی میں مافوق فطرت واقعات ہیں جنہیں انشا نے کچھ اس ادا سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا اس کی حقیقت میں غور و خوص کئے بغیر اس کو مان لیتا ہے۔ اس کہانی میں انشا نے ہندوستانی معاشرے اور ہندو سماج کی خوبصورت اور تیکھی تصویر کشی کی ہے۔

سلکِ گوہر

سلکِ گوہر انشا کی ایک ایسی داستان ہے جو بے نقط یعنی صفت غیر منقوطہ میں ہے۔ یہ داستان تقریباً چالیس (۴۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس داستان کی آخری غزل میں انشا کے تخلص کے سوا پوری داستان میں کوئی منقوط حرف استعمال نہیں ہوا۔ یعنی تمام داستان میں صرف چودہ حروف تہجی استعمال کئے گئے۔ سرزمین ہندوستان میں صدیوں سے اس صنعت کے بہت کم لیکن عظیم ہنرمند پیدا ہوئے۔ فیضی کی دو کتابیں ''سواطع الالہام'' اور ''موارد الکلم'' عربی نثر میں اور دیوان مادح نظم فارسی میں مشہور ہوئیں۔ انشا کے کلیات میں ایک پورا اُردو دیوان بے نقط کے علاوہ ایک فارسی مثنوی ایک قصیدہ طور الکلام اور رباعیات اس صفت میں نظر آتے ہیں۔ انشا کے بعد مرزا دبیر نے اس صفت میں اپنی استادی دکھلائی، ان کا ایک پورا مرثیہ غیر منقوط صفت میں ہے۔

سلکِ گوہر کا صرف ایک مخطوطہ دستیاب ہوا ہے جو رضا لائبریری رام پور میں

محفوظ ہے۔ اس نسخہ کو رامپور لائبریری کے ناظم امتیاز علی عرشی نے دریافت کر کے ۱۹۴۵ء میں مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ قرآئن سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ داستان ۱۲۱۴ء سے ۱۲۲۰ہجری کے درمیان تصنیف کی گئی۔ انشا ۱۲۱۸ ہجری تک مرزا سلیمان شکوہ اور اس کے بعد سعادت علی خان کے دربار سے متصل ہوئے۔

انشا نے یہ داستان صفت غیرمنقوط میں اپنی زبان دانی اور استادی دکھانے کے لیے کہی تا کہ اپنے ہمعصروں پر اپنی برتری ظاہر کر سکیں۔ اِسی لیے انہیں دوسری زبانوں کے غیرمنقوط لفظوں کو استعمال کرنا پڑا اور یہ داستان بوجھل غیرمانوس اور بے لطف ہوگئی جیسا کہ خود عرشی صاحب نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ''رواج زمانے کے مطابق عربی و فارسی کے ذخیرہ الفاظ ہی سے دریوزہ گری کی۔ جن لفظوں اور ترکیبوں سے کان آشنا نہ ہوں، ان کا مطلب اگر سمجھ بھی لیا جائے تب بھی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ ان حالات میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ داستان میں کس قدر بےلطفی و ناہمواری پیدا ہوگئی ہوگی۔''

اُردو کی نثری داستانوں میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں کہ اس بےلطفی کی وجہ سے پوری داستان کا پڑھنا تقریباً محال ہوگیا ہے۔

سلکِ گوہر ایک عشقی داستان ہے۔ روس ملک کا شہزادہ جس کا نام ملک ہے، شکار کھیلتا ہوا، ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے ایک دوسرے ملک حصار طلاکار میں داخل ہو جاتا ہے جہاں وہ ملکہ گوہر آرا کو دیکھ کر عاشق ہو جاتا ہے وہ ملکہ گوہر آرا کی کنیز ماہ رو کی معرفت سے گوہر آرا سے ملتا ہے جو کہتی ہے کہ اپنے والدین سے شادی کا پیغام بھجواؤ۔ شہزادہ ملک جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتا ہوا کوہ طلا پر ایک سو سالہ شخص طاؤس مراد سے ملاقات کرتا ہے اور پھر اُس کی مدد سے سرمہ طلسم، کاسہ امداد، مدد کا رسا اور موسیٰ کا عصا سے واقف ہوتا ہے، پھر اس شخص کی پوتی گل جو ساحرہ تھی اور اپنے سحر سے ہد ہد بن جاتی ہے، ملکہ گوہر آرا سے ملاقات کرتا ہے۔ گل رو پیغام پہنچاتی ہے اور گوہر آرا کے والدین شادی پر راضی ہوتے ہیں اور بڑی دھوم سے شادی ہوتی ہے اور ملک یا ماہ ساطع ملکہ گوہر آراء کو جو اس کی مراتھی، پاتا ہے۔ اسی داستان کو انشا نے ایک دعائیہ جملہ پر تمام کیا: ''الٰہا اُس طرح کہ ملکہ گوہر آرا اور ماہ ساطع کا ہم دگر مدعا ملا اُسی طرح ہمارا اور کل عالم کا دل مسرور اور دکھ دلدر دور ہو۔''

اس داستان کے اختتام پر انشا نے اپنے خاندان کے حالات لکھے جو تاریخی نوعیت سے اہم ہیں۔ اس داستان کو انتظار حسین نے مرتب کر کے ''انشا کی دو کہانیوں'' کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا۔

لطائف السعادت

لطائف السعادت انشا کی تالیف ہے جس کا کامل نسخہ یا قاطع تاریخ تالیف ہمارے درمیان موجود نہیں۔ لطائف السعادت کا قلمی نسخہ جو سولہ ورق پر مشتمل ہے اور برٹش میوزیم کے اورینٹل سیکشن میں محفوظ ہے۔ اس تالیف کے ابتدائی صفحات ہیں، جن میں کل لطیفوں کی تعداد پچپن (۵۵) ہے۔

قاضی عبدالودود نے لطائف السعادت پر ایک تعارفی مضمون لکھ کر رسالہ ''معاصر'' پٹنہ (۱۶۴:۴) میں ۱۹۵۰ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ان سولہ اوراق کے قلمی مخطوطہ کو ترجمہ، تشریح اور تاریخ کے ساتھ تقریباً (۱۸۰) صفحات میں کتابی شکل دے کر ۱۹۵۵ء میں بنگلور سے شائع کیا۔

لطائف السعادت کے مقدمہ اور دریائے لطافت کے دیباچہ کے لکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انشا نے ان لطیفوں کی جمع آوری نواب سعادت علی خان کے دربار سے متصل ہونے سے پہلے ہی شروع کر دی تھی اور یہ کتاب دریائے لطافت سے قبل تقریباً تکمیل ہو چکی تھی اور یہ کتاب تقریباً چار پانچ سال کے عرصہ زمان پر پھیلی ہوئی ہے۔

اگرچہ کتاب کا نام انشا نے خود ''لطائف السعادت'' رکھا لیکن اس میں تمام لطائف نواب سے متعلق نہیں بلکہ بیشتر لطائف دوسرے لوگوں سے متعلق بھی ہیں۔

دریائے لطافت کے دیباچے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب نواب سعادت علی خان نے انشا کو اُردو کے قواعد لکھنے کا حکم دیا تو وہ اُس وقت ''لطائف السعادت'' کی جمع آوری میں اتنے مصروف تھے کہ اس قواعد کی کتاب کی تکمیل کے لیے انہوں نے مرزا محمد حسین قتیل سے مدد مانگی۔ انشا نے بتایا کہ انہیں ہر روز بلاناغہ دو تین چار لطیفے جو نواب کی زبان سے نکلتے تھے، اُس کی جمع آوری میں اتنا وقت صرف ہوتا ہے کہ قواعد اُردو کی

تکمیل کے لیے مرزا قتیل کی مدد چاہی۔'' لطائف حضور اقدس کے ہر روز بلافصل دو سہ چار از زبان معجز بیان ترشح می نمود و می نماید و آں را خود بخود در صفحات لطائف السعادت کہ تا قیام قیامت بہ تمامی نرسادمی نوشتم و می نویسم و خواہم نوشت۔ حسن خدمتی بجا آوردم می آرم و این ہمہ فرصت بدست نیامد کہ تنہا۔

رنگ ہر چہرہ ایں نقش بدیع کشتم، مرزا محمد حسن قتیل رانیز شریک این دولت ابد مدت ساختم۔'' انشا کی اس تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین چار لطیفے ہر روز گفتگو میں ہو جاتے تھے اس طرح اس چار پانچ سال کی مدت میں لطیفوں کی تعداد پانچ چھ ہزار سے زیادہ ہونی چاہیے جب کہ ہمارے پاس صرف سولہ صفحات میں پچپن (۵۵) لطیفے ہیں۔ اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ انشا کے لطائف ان کے دوسرے کلام کی طرف تلف ہو گئے یا ابھی کہیں پڑے ہوئے ہیں اور آئندہ تحقیق انہیں ڈھونڈ نکالے۔ شاید ایک بوری بھر کلام اور تحریریں جو مرحوم برق مولوی نے مرحوم ڈاکٹر زور کو ایوان اُردو حیدرآباد میں ۱۹۵۷ء میں سپرد کی اس میں بھی یہ ذخیرہ موجود ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ اس کتاب کا کوئی مکمل نسخہ ہاتھ لگ جائے۔

محمد حسین آزاد نے انشا پر ریویو کرتے ہوئے آب حیات میں انشا کی برطرفی کو طبقوں میں اختلاف بتایا ہے اور کہا ہے کہ انشا بذلہ سنج، ہنگام آرا اور شوخ اور نواب صاحب اس کے برخلاف۔ مگر انشا نے خود دریائے لطافت میں نواب سعادت علی خان کی گفتگو کو شوخ اور مزاح بتایا ہے۔ انشا ''دردانہ سوم'' میں کہتے ہیں۔ ''ہیچ وقتی ارشادسخن جناب عالی خالی از لطیفہ نمی باشد۔'' گاہی تجنیس است، گاہی ایہام گاہی طباق است گاہی ترشح و وقتی متحمل الضدین۔ محرر داعی لطائف حضور راجمع نمودہ کتابی جداگانہ ترتیب می نماید۔''

ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ''لطائف السعادت'' میں کسی محقق یا مورخ کے اس شبہ کا ذکر کیا کہ شاید یہ لطیفے انشا کے دماغ کی پیداوار ہوں جنہیں انہوں نے نواب سعادت علی خاں سے منسوب کر دیا ہو۔ اس شبہ کا خوبصورت جواب ڈاکٹر شیام لال کالڑا نے یوں دیا ہے ''اگر لطائف السعادت کے لطیفے خود انشا کے ذہن کی پیداوار ہوتے اور نواب سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو یہ بہت بڑی جسارت تھی اور جو نواب ایک لفظ کے معنی (انجب) میں التباس یا محض غلط فہمی کی بنا پر ایک ''پیغمبرزادے'' کا رزق چھین سکتا تھا وہ اس دروغ گوئی

اور دیدہ دلیری کی کیا کچھ سزا نہ دیتا۔ لہذا یہ شبہ بے بنیاد ہے۔''

یہ کتاب فارسی میں ہے چونکہ اس وقت کی درباری زبان فارسی تھی لیکن ڈاکٹر آمنہ خاتون نے اس کو اُردو ترجمہ اور مزید تشریحات اور تعلیمات کے ساتھ شائع کیا۔ انشا کی یہ تالیف بھی ان کی دوسری تصنیفوں کی طرح حمد ونعت اور منقبت سے ہوئی ہے جس طرح انشا نے اپنی مثنوی مرغ نامہ میں حمد ونعت میں مرغداری اور فرغ بازی میں مستعمل الفاظ سے فائدہ اُٹھایا ہے، اُسی طرف لطائف السعادت میں حمد اور نعتیہ مضامین میں ظرافت اور شوخی سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں ''لطیفہ اس سے اچھا کیا ہوگا کہ خدائی کو بندگی میں چھپا کر محمدؐ کو وجود میں لایا اور ابہام اس سے بہتر کیا ہے کہ ممکن کو ایک ممتنع کے برابر ٹھہرا کر واجب نام دیا۔'' حضورؐ اکرم کی ظرافت پر کہتے ہیں '' جب کسی عزیز نے حضورؐ سے اونٹ طلب کیا تا کہ دورانِ سفر کام آئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''انہیں اونٹ کا ایک بچہ دیں۔ عزیز نے کہا حضورؐ اونٹ کا بچہ لے کر کیا کروں؟ حضور نے فرمایا افسوس ہے تیری عقل پر، کوئی ایسا اونٹ دنیا میں نہیں جو اونٹ کا بچہ ہو۔''

لطائف السعادت کے پچپن (۵۵) لطیفوں پر ریویو کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انشا اور نواب میں بے تکلفی اور سادگی تھی۔ انشا عام طور سے نواب کے طنز کا مودبانہ جواب ضرور دیتے تھے۔ ان لطائف سے ان افراد کا بھی پتا چلتا ہے جو نواب کے قریبی اور بے تکلف رفیق تھے۔ لطیفے ادب کے ہر گوشے سے تعلق رکھتے جس سے دربار کے ادبی مزاج کا بھی علم ہوتا ہے۔ اگر تمام لطیفے موجود ہوتے تو انشا کی زندگی اور دربار کے ماحول کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ان پچپن (۵۵) لطیفوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا خانہ انشا اور نواب سے مربوط ہے جس میں کل (۱۹) لطیفے ہیں۔ چودہ لطیفوں میں نواب نے انشا کی گفتگو میں مزاح اور شوخی پیدا کرنے کی کوشش کی اور دیگر پانچ لطیفوں میں ان کی قدردانی کی ہے۔ تقریباً دس گیارہ لطیفوں میں انشا نے کچھ حصہ ادا کیا یا لطیفے کی پہل کی ہے۔ تقریباً پچیس (۲۵) لطیفے دربار کے ماحول اور دوسرے افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان سارے لطیفوں کی زبان اگرچہ فارسی ہے لیکن بعض جملے اُردو میں ہیں جو لطیفوں کی جان ہیں۔ جیسے نواب نے انشا سے کہا۔ تمہاری ناس کا ستیاناس کیا جائے یا

تمہاری دال وہاں نہ گلی ہوگی۔

ترکی روزنامچہ

انشا کا ایک نامکمل روزنامچہ چغتائی ترکی زبان میں ہے جو انشا کے قول کے مطابق امیر تیمور کی اولاد بولتی تھی۔ اس لیے آج کل اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ یہ نامکمل روزنامچہ کا قلمی نسخہ رام پور کی رضالائبریری میں ہے۔ اس نسخہ کے کل چوبیس اوراق ہیں اور ان میں کل چھتیس (۳۶) دنوں یعنی ۱۸ جمادی الاول سے ۲۴ جمادی الثانی کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو زیادہ تر انشا یا نواب سعادت علی خان کی زبانی ہیں۔ اگرچہ روزنامچہ کی زبان چغتائی ترکی ہے لیکن اس میں فارسی، عربی اور ہندی کے چھوٹے موٹے جملے بھی شامل ہیں۔ ۱۹۶۰ء اپریل میں پہلی بار جناب امتیاز علی خان عرشی نے ایک تعارفی مضمون لکھ کر ''نیادور'' لکھنؤ میں اس روزنامچہ کو شائع کیا۔ اس روزنامچہ کو ترجمہ کے ساتھ ڈاکٹر نعیم الدین نے ۱۹۷۸ء میں ترقی اُردو بورڈ دہلی سے شائع کروایا۔

رقعات قتیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انشا روزنامچہ لکھا کرتے تھے، چنانچہ یہ چھتیس (۳۶) دنوں کے واقعات ان کے روزنامچہ کے کچھ اوراق سے زیادہ نہیں لیکن پھر بھی ان سے کئی مطالب پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ قلمی نسخہ کاتب نے نقل کیا ہے کیونکہ خوش خط ہے۔ انشا کی تحریروں سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ بدخط تھے۔

ترکی روزنامچہ پر عرشی صاحب، شیام لال کالڑا صاحب اور نعیم الدین صاحب نے کافی محنت کی۔ ترجمے کے لیے کئی پتھر نچوڑے لیکن پھر بھی کچھ مطالب اور بعض جملے تشنہ رہ گئے۔ ان چھتیس دنوں کی روداد سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ انشا نواب سعادت علی خان کے ملازم تھے اور عموماً دربار میں کھڑے رہ کر ہی گزارا کرتے تھے۔ انشا نواب کے لیے دوائیں بھی بناتے تھے جمعہ کے دن تعطیل رہتی۔ انشا روزانہ صبح دربار جاتے۔ شعر و شاعری کے علاوہ مختلف ایجادوں اور مثنویوں کے بارے میں بھی اطلاعات کا رد و بدل ہوتا۔ انشا کے کلیات میں جس غزل کے مطلع کا مصرعہ ع

''پگڑی تو نہیں ہے یہ فرانسیس کی ٹوپی''

کی وجہ بنا' کا بھی پتا چلتا ہے۔

مطر المرام فی شرح قصیدۃ طور الکلام

۱- یہ چالیس پینتالیس صفحات کا رسالہ ''قصیدہ طور الکلام'' کی شرح ہے۔
۲- یہ رسالہ فارسی میں ہے جس کا ابتدائی خطبہ عربی میں ہے۔
۳- ۱۹۷۱ء میں پروفیسر مختار الدین نے اس کا تعارفی نوٹ ارمغان مالک رام میں شائع کیا۔
۴- یہ کتاب پہلی بار ترجمے کے ساتھ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے مرتب کر کے شائع کی۔
۵- یہ رسالہ کا مخطوطہ ۱۸۱۷ء کی تصنیف ہے۔

انشاء کی معرکہ آرائیاں

خود انشا نے کہا تھا۔

انشا اللہ خان کو صاحب آپ نہ چھیڑیں مجلس میں
ان باتوں میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں

لیکن لوگوں نے ان کا کہا نہ مانا اور ادب میں لاکھوں بکھیڑے پڑے۔ان معرکوں کی زد میں ایک طرف انشا کی نابغہ روزگار شخصیت بڑی حد تک مجروح ہوئی تو دوسری طرف معمولی فالتو شخصیتیں ان کی حریف بن کر ان معرکوں کی وجہ سے زندہ جاوید ہوگئیں چنانچہ عظیم بیگ، خالق اور راغب اس کا زندہ ثبوت ہے۔ اُردو ادب میں بھی دوسرے ادبوں کی طرح معرکہ آرائی اُردو شاعری کی پیدائش سے ہی نظر آتی ہے جو آج بھی کسی نہ کسی طرح سے جاری ہے چنانچہ یہ معرکہ آرائی آج کل مشاعروں میں شاعروں کی ترتیب اور رسالوں میں شاعروں کی فنی گرفت پر دیکھی جا سکتی ہے۔ میر و سودا ، سودا و ضاحک مصحفی و جرات، آتش و ناسخ ، غالب و ذوق، انیس و دبیر، چکسبت و شرر، اثر و فراق اور جوش و حفیظ کے معرکوں سے لوگ واقف ہیں لیکن انشا کے معرکے اُردو ادب کی جہانی جنگیں کہی جا سکتی ہیں کیوں کہ اس میں انشا اور ان کے حریف کے ساتھ ساتھ سارا ادبی دبستان، گدا سے شاہ تک بالواسطہ یا بلا واسطہ شریک تھا

فارسی شعرا کے بر خلاف اُردو کے بعض متقدمین اور متوسطین شعرا نے اپنے اپنے دیوان ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ شاعروں کے تذکرے لکھے۔ میر کا نکات الشعرا،

میر حسن کا تذکرہ الشعرا، مصحفی کا تذکرہ ہندی گویان اور فارسی تذکرہ، قدرت اللہ قاسم کا مجوعہ نغز، مصطفیٰ خان شیفتہ کا گلشن بے خار اور محمد حسین آزاد کا آب حیات اُردو اور فارسی کی شاعری میں تاریخی، تفسیری اور تنقیدی روداد تصوّر کئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میر خدائے سخنی ہوتے ہوئے بھی سخن وروں کے ساتھ ساتھ انصاف نہ کرسکے۔ نکات الشعرا میں ان کا فرمان ہمارے دعویٰ کا ثبوت ہے۔ میر حسن صرف ذکر خیر اور اپنی پسند کے اشعار کے مجموعہ کے سوا اور کچھ تیار نہ کرسکے۔ اگر اس کو میر حسن کی پسندیدہ اشعار کی بیاض کہا جائے تو بہتر ہے۔ مصحفی کے اُردو اور فارسی تذکرے وہ ادبی قلعے ہیں جس کے اطراف خود پسندی اور خود ستائی کی ظاہری فصیل نہیں لیکن مکّاری، زیر کی حدود کینہ توزی کی گہری خندقیں ہیں جن کو وہ اپنے حریفوں کو دفن کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے اور بعض وقت جوش میں آ کر قلعہ کی بالانشین سے چاروں طرف گولہ باری بھی کرتے ہیں۔

ہو چکا دور میر و مرزا کا
اب زمانے میں ہے میرا دورا
آئیں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں پنجہ
سودا نہیں بیٹھے ہیں تو سودا کی جگہ میر
گر چو چلا بھی ہووے تو ہاں سوز کا سا ہو
کس کام کی وگرنہ چھنالے کی شاعری

چنانچہ ان تذکروں کی اہمیت صرف مصحفی کے اندرونی حالات کو دیکھنے کے لئے محدود ہوئی۔ قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ مجموعہ نغز سر تا پا بے مغز ہے۔ ان کی ادبی استطاعت اور شاعری پر ریویو مصحفی کے تذکرے میں بھی ڈیڑھ سطر سے زیادہ نہیں اور اغلب تذکروں میں ان کا نام نشان بھی نہیں۔ انشا کی معرکہ آرائی کو بہت توڑ موڑ کر انھوں نے پیش کیا۔ حقیقت میں ان کو انشا سے حسد اور نفرت تھی اور اسی لئے انھوں نے عظیم اور مصحفی کی ٹٹی کی آڑ لے کر شکار کھیلا لیکن آخرکار خود زخمی ہو گئے۔ مصطفیٰ خان شیفتہ کا تذکرہ گلشن بے خار کو گلشن بے کار کہنا مناسب ہے اس میں تقریباً سات سو شاعروں کے تذکرے میں پہلے خود موصوف اور پھر چار ہم عصر دوستوں مین غالب، مومن، آزردہ کی

تعریفیں ہیں۔ اس کے علاوہ دو خاتون شاعرات جن میں ایک مومن کی محبوبہ اور دوسری ان کی معشوقہ تھی ان کی شاعری کی دھوم دھام ہے۔ رہا سوال محمد حسین آزاد کے تذکرے آب حیات کا۔ یہ تذکرے سے زیادہ فسانہ، طلسم اور داستان ہے لیکن کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت بھی اس کے سامنے پھیکی ہو جاتی ہے۔ آزاد کی آب حیات اس لئے تذکروں میں سب سے زیادہ میٹھی اور شیریں کتاب ہے کہ اس میں ان کی زبان دانی اور الفاظ کے جادو کا شہد گھول دیا گیا ہے۔ واقعات ایسے بیان کرتے ہیں کہ ذہن میں ہمیشہ کے لئے تصویر جاوداں بن جاتے ہیں شاید اسی تذکرے کو پڑھ کر شبلی نے کہا تھا ''اگر آزاد گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے''۔ انشا کی معرکہ آرائی کو طرح طرح کے رنگ دے کر قدرت اللہ قاسم نے اپنے مجموعہ نصر میں پیش کیا اور انشا کو ہنگام آرا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مصحفی کے شاگرد رشید نور اسلام منتظر نے جو انشا کی ہجو لکھی اس کی تائید کی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

واللہ کہ تو شاعر نہیں بھانڈ ہے بھڑوے

مصطفیٰ خان شیفتہ نے اپنے تذکرے گلشن بے خار میں معرکوں پر کم لیکن انشا کی شاعری پر زیادہ زہر اگلا ہے اور ان کی شاعری پر ''ہیچ صنف سخن را بہ طریقہ راسخہ نگفتہ است'' کا فتویٰ صادر کیا۔ آزاد نے بقول ڈاکٹر آمنہ خاتون مولف ''لطائف السعادت'' انشا کو جس عینک سے دیکھا ہے اس کا ایک شیشہ ''واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے'' اور دوسرا شیشہ ''ہیچ صنف سخن را بطریقہ راسخہ شعر نگفتہ۔''

اور دوسری طرف آزاد کے ذہن پر بتیاب کے حملہ کا بھوت سوار رہا جو فراغ ہم عصر انشا کے شاگرد تھے ''کہ انشا کے فضل و کمال کو ان کی شاعری نے اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبو دیا''۔ انشا شوخ مگر سیدھے سادے انسان تھے۔ خود کہتے ہیں ؎

کاٹے ہیں ہم نے یوں ہی ایام زندگی کے
سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں

چنانچہ زندگی کی پر آشوب راہ میں انھیں نہ جانے کتنے کج اور ٹیڑھے لوگ ملے مگر بہر حال پانچ معرکے جن میں دو بڑے معرکے عظیم اور مصحفی کے ساتھ اور تین چھوٹے

واقعات خالق، راغب، اور قتیل کے ساتھ ہوئے ہمارے اس تحریر کے موضوعات ہیں۔ انشا کا پہلا ادبی معرکہ دہلی میں ۱۱۹۵ھ یا ۱۱۹۶ھ میں مرزا عظیم بیگ کے ساتھ ہوا اس وقت انشا کی عمر بیالیس (۴۲) سال کے لگ بھگ تھی۔ ہم پہلے واقعہ اور پھر اس کا تجزیہ کریں گے۔ مرزا عظیم بیگ دلی کے ایک معمولی شاعر تھے جو غلط اشعار کہتے تھے اور شاعروں کے درمیان ان کا کوئی مرتبہ نہ تھا لیکن کیوں کہ بد دماغ واقع ہوئے تھے اپنے کو اُردو کا صائب تصور کرتے تھے۔ انشا عظیم کی انانیت اور غرور سے ناخوش تھے۔ انشا کے والد سید ماشا اللہ مصدر عظیم کے احباب میں تھے۔ چنانچہ ایک دن عظیم بیگ نے انشا کے والد کو ایک غزل سنائی اس وقت انشا بھی وہاں موجود تھے۔ غزل بحر رجز میں تھی لیکن ان کی لاعلمی کی وجہ سے اس کے کئی اشعار بحر رمل میں نظم ہو گئے تھے۔ انشا نے غزل کو دوبارہ سننے کے لئے اس کی ظاہری تعریف کی تا کہ وہ اشعار کی تقطیع کرسکیں اور اسے یاد بھی کرلیں۔ جب عظیم بیگ نے مشاعرے میں آ کر بڑے غرور کے ساتھ یہ غزل سنائی تو انشا نے ان سے تقطیع کرنے کی فرمائش کی چنانچہ عظیم بیگ کو رسوائی ہوئی۔ عظیم جیسے بد دماغ شاعر کے لئے یہی کم نہ تھا اس پر انشا نے پھر ایک تازہ مخمس سنایا جو ان کی ہجو میں تھا۔ اس وقت انشا کے مخمس کے صرف تین بند عمدہ منتخبہ میں نظر آتے ہیں۔ پہلا بند آب حیات میں ترمیمات اور تغیرات کے ساتھ نظم ہوا ہے۔

جو تو مشاعرے کو صبا آج کل چلے
کہیو عظیم سے کہ ذرا تو سنبھل چلے
اتنا نہ اپنے شعر پہ کرتا وہ بل چلے
کل ہی تو یار پڑھتے غزل در غزل چلے
بحر رجز کو چھوڑ کے بحر رمل چلے

ہر چند تم تو فن سخن میں تھے بے نظیر
صائب ہو اپنے وقت کے ہم شوکت و اسیر
سمجھو بہ قول سعدی نہ دشمن کو پر حقیر
تھم کر پڑھو جو شعر تو ہو کون خردہ گیر
نہ یہ روانی جیسے کہ دریا ابل پڑے

یہ مخمس کا پڑھنا تھا کہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی چنانچہ دوسرے مشاعرے میں عظیم نے اس کے جواب میں بارہ بند کا ایک مخمس لکھا اور اس میں تین انشا کے بند تمہید کے طور پر رکھ کر پورا کیا۔ اس مخمس کے بعض مصرعے زبان زدعام ہوئے۔ کچھ بند یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔
عظیم نے انشا کو مخاطب کر کے کہا ۔

وہ فاضل زمانہ ہو تم جامع علوم
تحصیل صرف ونحو سے جن کی مچی ہے دھوم
رمل و ریاض و حکمت و ہیئت جفر نجوم
منطق بیان معانی کہیں سب زمیں کو چوم
تیری زباں کے آگے نہ دہقاں کا ہل چلے

اک دوغزل کے کہنے سے بن بیٹھے ایسے طاق
دیوان شاعروں کے نظر سے رہے بہ طاق
ناصر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہے طاق
ہر چند ابھی نہ آئی ہے فہمید جفت و طاق
ٹنگڑی تلے سے قدسی وعرفی نکل چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق
تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق
شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

تھا زور فکر میں کہ کہوں معنی و مال
تجنیس و ہم رعایت لفظی و ہم خیال
فرق رجز رمل نہ لیا میں نے گو سنبھال
نادانی کا مری نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدر فکر یہی کر حمل چلے

جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں اُردو تذکرہ نگاروں میں۔ بے طرفی اور صحیح واقعہ نگاری کی شدت سے کمی ہے۔ قاسم مولف تذکرہ نضر کو انشا سے جلن تھی کیوں کہ انشا کی وجہ سے ان کہنہ مشقوں کے دھیمے چراغ بجھ رہے تھے چنانچہ عابد پیشاوری اپنے مقالے "انشا اللہ خان" میں لکھتے ہیں۔" اس معرکے کے اصلی حریف میر قدرت اللہ قاسم تھے۔ عظیم کو تو اس لئے آڑ بنا لیا گیا کہ وہ بد دماغ مشہور تھے" قاسم نے مجموعہ نضر میں ساری ذمہ داری انشا کے سر ڈالی اور انشا کو حاسد بنانے کی ناکام کوششیں کی۔ انشا عظیم بیگ اور قدرت اللہ قاسم کو کچھ نہیں سمجھتے تھے چہ جائیکہ ان کے مقام و مرتبہ کے حاسد ہوں۔ قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں۔ کہ انھوں نے اس واقعہ کے بعد انشا کی ہجو لکھی اور اس میں عظیم بیگ کی حمایت میں بھی کی۔ قاسم کے تذکرے کا اثر شیفتہ اور بخصوص آزاد پر ہوا اور آب حیات میں آزاد اس چکر میں آگئے اور اس پر سینہ زوری بھی۔ انشا کی شریعت میں بقول خود

بہ کمال فضل و دانش یہ بعید ہے کہ انشا
غلطی پہ تو مصر ہو بہ مثال خود پسندی

عظیم بیگ نے قدرت اللہ قاسم کی شدید حمایت اور انشا کی مخالفت کو دیکھ کر قاسم کو اپنا استاد قرار دیا اور پھر کسی کے سامنے بغیر قاسم کو دکھائے کلام نہیں پڑھا جیسا کہ خود قاسم لکھتے ہیں کہ مرزا عظیم بیگ ایسے تنبیہ ہوگئے تھے کہ شعر کسی کے سامنے نہیں پڑھتے جب تک کہ خود (قاسم) کو سنا لیتے اور کہتے دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔

اگر قدرت اللہ قاسم کے مجموعہ نضر کا تحقیقی جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ قاسم نے انشا کی دشمنی میں یہ کھیل کھیلا جس کی وجہ سے عظیم کو رسوا ہونا پڑا چنانچہ یہی شرمندگی تھی جسے وہ عظیم کی موت کے بعد کسی طرح سے کم کرنے میں مصروف تھے۔ مجموعہ نضر میں جہاں اُردو کے نامور شاعر میر حسن دہلوی جن کی مثنویات لاجواب ہیں صرف دو صفحات میں تذکرہ کیا گیا اور مشکل سے پچیس (۲۵) اشعار نقل کئے گئے وہاں عظیم بیگ پر چودہ صفحات میں تبصرہ اور تعریف کی گئی اور دو سو ستر (۲۷۰) سے زیادہ بے جان اور بے کار اشعار کا انتخاب بھی پیش کیا گیا جب کہ مصحفی جن کے سات آٹھ دیوان موجود ہیں صرف ساٹھ

شعروں کا انتخاب کیا گیا۔ عظیمؔ کے بارے میں قاسمؔ یہ بھی کہتے ہیں کہ'' دیوان مختصر در نہایت جودۃ و پختگی بر صفحہ از و یادگار است''۔ خیال شاعری در کاخ دماغش چناں پیچیدہ بود کہ خود را صائبؔ ہندی زبان می نیداشت''۔ اگر عظیمؔ کی شاعری بے نہایت پختہ ہوتی تو بحر رجز میں رمل کے اشعار نہ کہتے۔

آج بھی اگرچہ ان کا دیوان نایاب ہے لیکن مجموعہ نضیر کے (۲۵۰) اشعار پڑھ کر ہر ذی شعور منصف نقاد ان کی جودۃ و پختگی کو سمجھ سکتا ہے۔ عظیمؔ کے دو سو پچاس اشعار اور مخمس پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ مخمس کے اشعار اور نمونے کلام کے اشعار میں بلا کا فرق ہے شاید یہ ہجو یہ مخمس قاسمؔ اور عظیمؔ کی ملی جلی قلمی سازش ہو۔اللہ ھو العالم۔ یا شاید یہ وہی ہجو ہے قاسم نے لکھی لیکن عظیمؔ کے نام کردی اور عظیمؔ نے اسے سنایا۔قاسمؔ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عظیمؔ پہلے سوداؔ اور پھر دردؔ کے شاگرد رہے۔ انشاؔ سے یہ معرکہ ۱۱۹۵-۱۱۹۶ ہجری میں ہوا اس وقت سوائے قاسمؔ کے دلی میں کوئی عظیم کا استاد نہ تھا۔شاید عظیمؔ نے دو بحروں والی غزل استاد قاسمؔ کو سنا کر سنائی ہو جس نے عظیم کو رسوا کیا۔ بہرحال قاسمؔ کی حریفانہ حرکات سے اتنا تو نتیجہ ہر شخص نکال سکتا ہے کہ عظیم کی تعریف ''حب علیؓ میں نہیں بلکہ بغض معاویہ کی وجہ سے تھی۔''

اور اسی وجہ سے عظیمؔ اور انشاؔ کے دلوں میں کدورت بڑھتی گئی اور دونوں طرف فخر و مباہات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ مشاعرے شاعروں کا اکھاڑہ بن گئے اور لوگ چوب و چماق، خنجر و شمشیر سے مسلح ہو کر آنے لگے۔ انشاؔ بہادر باپ کے بیٹے تھے اور شہدوں سے ڈرتے نہ تھے چنانچہ انہوں نے ایک غزل لکھی جو فنی اعتبار سے لاجواب اور تعلّی میں عالی ہے۔اس غزل کے چند اشعار یہ ہیں ۔

ے اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے
کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے
ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب
چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
وغان اولی اجحہ مانند کبوتر
کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے

بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے
ہے مرحلہ خم غدیر آنکھوں میں چھپایا
کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں مرے آگے

یہاں مصحفی کے کچھ اشعار جو انھوں نے انشاؔ کی غزل کے جواب میں لکھے دونوں کے مرتبے کو بتانے کے لئے پیش ہیں ؎

؎ ہے جام طرب ساغر پر خوں مرے آگے
ساقی تو نہ لانا مئے گل گوں مرے آگے
سمجھوں ہوں اسے مہرۂ بازیچہ طفلاں
کس کام کا ہے گنبد گردوں مرے آگے
میں گوز سمجھتا ہوں سدا اس کی صدا کو
گو بول اٹھے ادھی کی چوں چوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ ہوئے آج وہ شاعر
طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے

عظیمؔ تو بہر حال پہلے کہہ چکے تھے ؎

؎ کچھ عظیم کو بھی یارب غریق رحمت
آوارۂ جنوں سا اک صائبؔ سخن تھا
اور معنی بند ایسا ہندی زباں کا صائبؔ
ہندوستان سے لے کر مشہور تا دکن تھا

معین الملک مرزا میڈھو کے یہاں ہر ماہ مشاعرہ ہوتا تھا جس میں انشاؔ، قاسم، ثنا اللہ فراقؔ، عظیم اور دوسرے کہنہ مشق شعرا شرکت کرتے تھے۔ ان تمام کہنہ مشق شاعروں کو انشاؔ کی علمی استعداد اور لسانی مہارت سے جلن تھی۔ انشاؔ قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ نئے نئے مضامین نکالنے میں اپنے ہم عصروں سے بہت آگے تھے چنانچہ انھوں نے ایک غزل ''پانچوں'' ردیف میں پڑھی۔ غزل کا پڑھنا تھا کہ محفل زعفران بن گئی۔ انشاؔ کو اتنی داد ملی

کے ان کے حریف قاسم اور عظیم بھی جل بھن گئے۔

چشم و ادا و غمزہ شوخی و ناز پانچوں
دشمن ہیں مرے جی کے بندہ نواز پانچوں
کیا رنگ زرد و گریہ کیا ضعف و درد و فغاں
افشا کریں ہیں مل کر میرا یہ راز پانچوں
آرام و صبر و طاقت ہوش و حیا کہاں پھر
بے دل کے ساتھ یہ بھی اے عشوہ ساز پانچوں
مت پوچھ کار انشا ہجر و وصال میں کچھ
صبر و جنون و وحشت عجز و نیاز پانچوں

قاسم نے دوسری محفل مشاعرہ میں ایک ایسی غزل تیار کی جس کی ردیف ''ساتوں'' تھی۔ قاسم کی شاید یہ غزل ضعیف ہو گی چونکہ انھوں نے اپنے تذکرے میں صرف ایک ہی یہ شعر لکھا ہے۔

غم درد رنج محنت آفت ستم قیامت
فرقت میں تیری دیکھیں بندہ نواز ساتوں

ادھر انشا کو لوگوں نے اس کی خبر کردی۔ انشا نے فوراً مشاعرے کے لئے نئ غزل بنالی جس کی ردیف ''آٹھوں'' تھی۔ بہر حال جب انشا نے یہ غزل سنا کر محفل کو لوٹ لیا تو قاسم کی محنت پر پانی بھر گیا یہی نہیں بلکہ انشا نے ایک قطعہ تعلّی اور حریفوں کی مذمت میں بھی کہا۔

امواج قلزم کے بھلا کب ہو سکے ہے سامنے
کچھ جوش گرگا ہے کیا برسات کے تالاب نے
صادق بلا تشبیہ ہے یہاں وہ مثل جس طرح سے
الحاقہ پر رشک کھا کر مسلم کذاب نے
الفیل و ما الفیل و ما ادرک ما الفیل کہا
سنتے ہی جس کو ہنس دیا ہر ایک شیخ و شاب نے

ان شعروں نے قاسم کو آگ بگولہ کر دیا چنانچہ فوراً قاسم نے مشاعرہ میں اٹھ کر کہا کہ "یہ سیّد جو دوسروں کو مسلمہ کذاب کا خطاب دیتا ہے ذرا اس کی بھی الفیل ما الفیل ملاحظہ فرمایئے۔" یہ سننا تھا کہ مرزا میڈھو اور ولی اللہ محبؔ آگے بڑھے اور قاسم کی دلجوئی کی۔ انشؔا نے فوراً قاسم کو بغل گیر کرلیا اور کہا کہ آپ میرے چچا ہوتے ہیں یہ سب عظیمؔ کی بددماغی کی وجہ ہے جو اپنے کو صائب ہندی سمجھتے ہیں۔ عظیمؔ نے بھی ان واقعات سے فائدہ اٹھا کر اپنے استاد کے مصرعہ پر تضمین کیا ؎

؎ عظیم اب گو ہمیشہ سے ہے یہ شعر کہنا شعار اپنا
طرف ہر اک سے ہو بحث کرنا نہیں ہے کچھ افتخار اپنا
کئی سکھن باز کھنڈ گویوں میں ہو نہ ہو اعتبار اپنا
جنہوں کی نظروں میں ہم سبک تھے دیا انہیں کو وقار اپنا
عجب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالے ہے بار اپنا

اس معرکہ کے بعد انشؔا نے محسوس کیا کہ دتی میں ان کی قدر دانی دشمنی اور تعصب کا شکار ہوتی جارہی ہے چنانچہ دتی سے لکھنو روانہ ہوئے اور ان کے لب پر ان کا یہ شعر تھا ؎

؎ کفالت رزق کی کس سے کسی کی ہو سکے انشؔا
صفت مخصوص ہے یہ تو فقط اس ذات باری میں

دلی کا ماحول ان کے اس شعر کے مصداق ہو چکا تھا ؎

؎ اپنا بھی کچھ یہ حال غرض جائے سیر ہے
دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر ہے

"پانچوں" اور "آٹھوں" ردیف کی ہی غزلیں نہیں بلکہ انشؔا نے لکھنو پہنچ کر "بیسوں" اور "تیسوں" کی ردیف میں شعر لکھ کر ہمیشہ کے لئے حریفوں کے منہ بند کردیئے۔

انشا اور مصحفی کی معرکہ آرائی کا عادلانہ تجزیہ

مولانا روم نے کہا تھا

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

یعنی بقول انیس

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

انشا اور مصحفی کی ادبی معرکہ آرائی پر بحث کرنے سے پہلے دونوں شخصیتوں کا پوری طرح تعارف اور ان کے دور کے سیاسی اور ادبی حالات کا جائزہ ضروری ہے۔ ہم ان مطالب کو سمجھنے کے لئے شاعروں کا کلام، خودنوشت، رقعہ جات، تذکرے اور تاریخیں کھنگالنے کی کوشش کریں گے۔ کلیات اور دواوین شاعر کی شخصیت کو سمجھنے میں راہنمائی کر سکتے ہیں کیوں کہ کلام بڑی حد تک شاعر کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ خودنوشت رقعہ جات بھی مبصرین اور ناقدین کے لئے کام کی چیزیں ہیں جہاں تعلّی اور تعصب کو چھانٹ کر اصلی مطلب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تذکروں اور تاریخوں میں مولف کا رجحان اور ذاتی

مفاد بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ انشا کا کلیات اور دوسری تصانیف کمیاب ہیں لیکن دستیاب ہیں جب کہ مصحفی کے کلام کے سات آٹھ دواوین ہیں لیکن مکمل دستیاب نہیں بلکہ انتخابات کی صورت میں چھانٹا ہوا مواد جو بازار میں ملتا ہے وہ ان شخصیتوں کا ماحصل ہے جو مصحفی کے خاموش اور پیمبرانہ رُخ کو دنیا کے سامنے لانا چاہتے تھے بہر حال اس میں کچھ مصرعے ''بشر ہوں میں بھی شرر' شعلہ بن کر توجہ کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں''۔ انتخاب سے شاعر کی پوری تصویر کے کئی رخ نہیں دکھائے جاسکتے۔ مصحفی کے کلیات کے علاوہ ان کے ہندی تذکرے اور فارسی تذکرے بھی کم یاب ہیں ۔ایسی صورت میں ان مدارک کے علاوہ ہمیں ہر اس تحریر سے مدد لینی پڑے گی جس میں دوست دشمن یا بے طرف لوگوں نے ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اور ان بیانات کو عقل' منطق اور صداقت کی کسوٹی پر پرکھ کر خود نوشت اور حاصل کلام سے ان کی مطابقت کرسکیں تا کہ صحیح نتائج نکل سکیں۔ انسان اشرف المخلوقات اس وقت بن سکتا ہے جب وہ عالی اقدار کی طرف پرواز کرتا ہے لیکن یہی انسان اگر ذلالت اور پستی کی طرف مائل ہو تو شاید کوئی مخلوق بھی اس سے پیچھے نہ رہ سکے۔ انشا نے کہا ہے

عوام الناس سے مت رکھ توقع آدمیت کی
کہ اکثر گرگ و روباہ و شغال و گربہ و سگ ہیں

مصحفی اور انشا کے ہم عصر قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے مجموعہ نغز میں جو (۱۲۲۱) ہجری میں مکمل ہوا' مصحفی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔ مصحفی تخلص میاں غلام ہمدانی عزیزی نیک سیرت مسکین نہاد خوش خو خوبی نژاد متواضع باادب مرتبہ شناس مہذب خلیق و پاکیزہ زندگانی واقع شدہ''۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں شاید ہی کسی شاعر کے لئے اتنی ذاتی خوبیوں کو یکجا کیا ہو۔ قاسم کی انشا سے کدورت تھی جس کی زد میں بد دماغ عظیم بیگ آ گئے جس واقعہ سے ادب کے طالب علم واقف ہیں۔ قاسم انشا کے حریف تھے اس لئے ان کی ہجو لکھی جس کا خود اقرار کرتے ہیں اور عظیم بیگ جو دو کوڑی کا شاعر تھا۔ شاعر اعظم کرکے اس کی عظمت پر چودہ صفحات کا نثری قصیدہ اور دو سو ستر شعر کا ملبہ اپنے تذکرے میں جمع کیا جب کہ میر حسن دہلوی جیسے مثنوی نگار کو ڈیڑھ صفحہ کا بھی مستحق قرار

نہ دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مصحفی کی تعریف عظیم کی طرح حب علیؓ کے بجائے بغض معاویہ میں تو نہیں کیوں کہ اسی قدرت اللہ کو مصحفی نے اپنے ہندی تذکرے میں ڈیڑھ دو سطر سے زیادہ کا نہیں ٹھرایا۔ مسکین نہادی اور مکاری میں بہت فرق ہے۔

؎ گر بہ مسکین اگر پرداشتے
تخم گنجشک از جہاں برداشتے

مصحفی کی طبیعت میں خود پسندی بلا کی تھی وہ کسی بھی شخص کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ادبی معرکوں سے دیکھا جائے تو مصحفی نے میر تقی میر' مرزا رفیع سودا' خواجہ درد' جرأت اور حسرت ہی نہیں بلکہ بزرگان ادب سعدی' عنصری' سحبان وغیرہ کو بھی لتاڑا ہے۔ جب کہ انشا نے ایک دو بزرگ شاعروں کی ہمسری کو فخر سمجھا۔ سعدی وقت ہے انشا جو شاعرانہ تعلّی میں جائز ہے۔

آب حیات میں آزاد کا بیان کہ مصحفی کے اس شعر پر

؎ یاں لعل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

میر نے انہیں دوبارہ پڑھنے کو کہا تو مصحفی نے کئی دفعہ اٹھ اٹھ کر سلام کیا اور کہا کہ اپنے دیوان میں اس شعر پر یہ مضمون تعریف ضرور لکھوں گا۔ ہمیں علم نہیں کہ مصحفی نے اس شعر پر یہ چیز لکھی یا نہیں لکھی مگر یہ اشعار ان کے دیوان میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

سلیمان شکوہ کے قصیدے میں لکھتے ہیں:

؎ آئیں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں پنجہ
سودا نہیں بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر
تلنا میں اس کے پلے میں ہوتا گر انوری
مرزا و میر سے مجھے کیا ہے برابری
ہو چکا دور میر و مرزا کا
اب زمانے میں ہے میرا دورا

میر کی جب سے اٹھ گئی ہمت
اپنے ہاں بھی مشاعرہ میں کیا
میر و مرزا کا تو نے کر ذکر مصحفی
اشعر ہیں تو کشور ہندوستاں میں ہم
کچھ میں جرات نہیں ہوں مصحفی سحر بیان
میر و مرزا سے لڑانے یہ غزل لے جاؤں گا

مصحفی نے تمام عمر میر اور سودا کی غزلوں کی زمین پر غزلیں کہیں لیکن ان کی بلندی تک نہیں پہنچ سکے۔ نہ جانے مصحفی کو سودا سے کد تھی جو سودا کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں سے بھی ہو گئی۔ شاید سودا نے اپنے خاطر خیال میں بھی مصحفی کو نہ رکھا ہوگا لیکن مصحفی کی گولہ باری دیکھئے:

سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعر مغلق
سو شاعری اس کی بھی بلیغوں پر عیاں ہے
مضمون معانی میں نہیں بہرہ کچھ اس کو
سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زباں ہے
سودا تو یہاں کھیت رہا آدھی ہی رہ میں
طے ہو نہ سکا اس سے بھی صحرائے طبیعت

خواجہ میر درد اللہ والے آدمی تھے، نہ کسی کے لینے میں شریک نہ کسی کے دینے میں شریک، فقط وحدہ ء لاشریک کے عشق میں رات دن شریک رہتے لیکن چونکہ مسند شاہی پر یا خانقاہ کے بوریا پر کوئی بھی جلیل قدر شخصیت مصحفی کی آنکھ میں کھٹکتی تھی اس لئے ان کی قبر کو بھی اکھاڑا گیا۔ مصحفی قصیدہ حضرت علیؑ میں درد کے بارے میں لکھتے ہیں:

درد کو شاعروں میں میں سمجھوں
یہ تو ہونا نہیں ہے وا دردا
بس وہی عالم جوانی میں
بیش و کم ریختہ کہا ہوگا

مشہور ہے کہ دروغ گو حافظہ ندارد۔ مصحفی کے چند اشعار خود ان کے بیان کے خلاف ہیں۔

ے کیوں کے دلی کے بیچ گزرے ہیں
ڈھائی شاعر سرا مد شعرا
اس کی تفصیل یہ کہ کہتے ہیں
میر و مرزا و درد وا دردا

ان بزرگوں سے پنجہ نرم کرنے کے بعد مصحفی سودا کے شاگردوں اور حسرت و جرات کی جوگت بناتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ مسکین نہاد، خوش خو، متواضع باادب، مرتبہ شناس، مہذب مصحفی جرأت کی شاعری کو ''چھنالے کی شاعری'' حسرت کی شاعری کو ''رذالے کی شاعری'' فرماتے ہیں۔

ے دیوان جن کے کفش سے افزوں نہیں ذرا
کرتے ہیں کیا وہ لوگ کسالے کی شاعری
گر چو چلا بھی ہووے تو ہاں سوز کا سا ہو
کس کام کی وگرنہ چھنالے کی شاعری
بعضوں نے تب تو شعر پہ حسرت کے یہ کہا
کیا دال موٹھ بیچنے والے کی شاعری
کیا ہی بڑھ چلے وہ کلام شریف سے
سرسبز ہووے گی نہ رذالے کی شاعری

مرتبہ شناس مصحفی یہیں نہیں رکتے بلکہ

ے اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ہائے
سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
ے فردوسی زمانہ ہوں میں نظم شعر میں
ے سحبان عرب میں کرنہ سکا میری ہمسری

مصحفی کے اشعار فارسی میں ہیں لیکن عربی میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مصحفی

اپنی تعلّی میں کہتے ہیں۔

ے ہندوستان کی گردن خرد و بزرگ پر
ہے سچ تو یہ مرا ہی ہے احسان شاعری
پیرو ہیں میری طرز کے عیاں کے یاں چھوٹے اور بڑے
ملک سخن کا ہوں میں سلیمانؑ شاعری
جس روز میرے جسم سے نکلے گی میری جان
یہ جانیو تو آج گئی جان شاعری
میں اپنی شان عنقا ہوں قاف معنی کا
یہ پہنچے مجھ تئیں کب ہے مرا بلند مقام

مصحفی منکسر المزاج فرماتے ہیں

ے قرآن کو کیا دیکھے ہے زاہد تو کبھی دیکھ
میرا بھی تو قرآن محشائے طبعت
شانے پر میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعویٰ وحی و پیغمبری

مصحفی کے شاگردوں میں کچھ شہدے بھی تھے جو تیغ زبان کے علاوہ خنجر و شمشیر سے مسلح ہو کر حریفوں کو بھی ڈراتے تھے چنانچہ نور اسلام منتظر اور حیدر علی گرم جن کا ذکر خیر آگے ہوگا ان کی مدح اور تائید میں مصحفی فرماتے ہیں۔

ے سو کب میں شورش بے جا سے ان کی ڈرتا ہوں
انہوں کی ہجو کو اک گرم بس ہے اور یہ تمام
اگرچہ سب ہیں نوا خواں ولیکن ان میں سے
بلا ہیں منتظر و گرم جوں برہنہ حسام
کسی سے بات میں کٹتے ہیں اور نہ دبتے ہیں
زبان ان کی ہے تیغ بروں شدہ ز نیام

وہاں سے حضرت شیطاں بھی دم دبا نکلے
کھڑے ہوں جس سر رہ پر یہ باگر وہ عوام
بزرگ زادگی میں ان کو شک نہیں لیکن
کرے ہے ان سے سفیہ فلک رزالت وام

یعنی یہ شاگرد شہدے ایسے ہیں کہ فلک میں ان سے رزالت قرض کرتا ہے۔
مشہور ہے کہ مصحفی نے معاش کے چکر میں تمام عمر شعر بیچ کر زندگی بسر کی۔ پاکیزہ زندگی کے بارے میں قاسم کا تذکرہ نہیں بلکہ خود مصحفی کی نوشت ''مجمع الفوائد'' میں یہ کہتی ہے۔ ''پہلی بیوی کے مرنے کے بعد تقریباً تیس سال ہوئے ہوں گے یا کچھ زیادہ' میں لکھنؤ میں مقیم ہوں۔ ایک زن خولہ بے نکاح و متعہ سے تعلق پیدا کیا۔ اس نے تین حمل سقط کرائے۔ رفع بدنامی کی خاطر اس سے بیزار ہوکر جدائی اختیار کی۔ اس کے بعد ایک عورت سے عشق ہوگیا جو کوچہ گرد تھی۔ چند روز گھر کی چار دیواری میں بیٹھی اور ایک دلالہ کے بہکانے سے مجھ سے جدائی طلب کی۔ اسی دوران ایک اور عورت سے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ زنا سے بچنے کے لئے اس سے متعہ کرلیا جو'' محکم تراز نکاح'' ہے اس واقعہ کو بارہ برس ہو چکے ہیں لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔'' بہر حال جیسا کہ خود مصحفی نے کہا ہے ؎

بشر ہوں میں بھی شریر

بس جب یہ چقمق صفت شخصیت اگر چہ ہاتھ لگانے میں سرد محسوس ہوتی ہے جب دوسرے نرم اور ٹھنڈے افراد سے رگڑائی تو کچھ دھواں ضرور بلند ہولیکن آگ اس وقت لگی جب ان کے مقابل دوسری چقمق صفت شخصیت انشا سامنے آئی۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے '' لطائف السعادت'' میں بہت صحیح کہا ہے کہ انشا نے کسی بھی ادبی معرکے میں پہل نہیں کی لیکن جب ان کو چھیڑا گیا تو انہوں نے حریف کو آخر تک نہیں چھوڑا ؎

انشا اللہ خاں کو صاحب آپ نے چھیڑیں مجلس میں
ان باتوں میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں

اس معرکہ پر تبصرہ سے پہلے ہم انشا کی شخصیت پر روشنی ڈالیں گے۔ قاسم نے مجموع نضر میں انشا کے بارے میں خوب ترین جملہ'' باکثرت از صفات حمیدہ آراستہ و با

بیشتر از اخلاق پسندیدہ" کہنے کے بعد بے عیب خدا کی ذات بنا کر مصحفی کو بے عیب اور انشا کو مجسمہء عیوب ظاہر کیا۔ اس تذکرہ میں انشا کے ایسے ستاون اشعار نظم کئے کہ صرف دو تین عمدہ ہیں۔ یہ انتخاب خود قاسم کا سلیقہ ہے یا خس وخار کی جمع آوری ان کا پیشہ ہم کو اس کا علم نہیں۔ ہمیں تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کے مطالعہ سے انشا شاعری کی عالمی حیثیت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ بس ایسے تذکرے میں انشا کا ذکر خود انشا پر ظلم ہے۔
انشا کی شخصیت کی دوسری تصویر جو محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کھینچی اس میں ڈاکٹر آمنہ خاتون کے قول کے مطابق وہ تصویر ہے جو آزاد نے ایسی عینک سے دیکھی جس کا ایک شیشہ منتظر کا مصرعہ "واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے" اور دوسرا شیشہ شیفتہ کا جملہ "ہیچ صنف سخن را بطریقہ راسخ شعر نگفتہ" تھا۔ مولانا آزاد کے دماغ پر بیتاب شاگرد فراغ ہم عصر انشا کی جملہ کا بھی شدید اثر تھا کہ " انشا کے فضل وکمال کو ان کی شاعری اور ان کی شاعری کو نواب سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبو دیا"۔

یہ جملہ اس لئے صحیح نہیں کہ انشا آج بھی ہمارے درمیاں ایک عظیم شاعر اور معروف نثر نگار کی بابت زندہ ہیں اور اپنی عمر کے تریسٹھ سالوں میں صرف نو سال سعادت علی خان کے دربار سے منسلک رہے۔ تذکرے اور تاریخوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انشا ایک دو بار ذہنی عدم توازن اور افسردگی Nervous Breakdown کا شکار ہوئے اور شاید آخری میں حافظہ بھی کھو چکے ہوں اور مرض Alzhamer سے بھی دو چار ہوئے ہوں۔ بہر حال ایسی حالت میں انسان کو اس کے کھانے پینے کا کچھ خیال نہیں رہتا ' یادداشت اور حافظہ ختم ہو جاتا ہے۔ آزاد نے انشا کی دماغی بیماری کی تصویر ان کے دوست سعادت یار خان کی زبانی کچھ اس طرح پیش کی کہ وہ ایک قسم کی عبرت ناک مشیت کی سزا معلوم ہوتی ہے جو انشا کے حق میں شدید نا انصافی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آزاد خود کچھ اس طرح کی حالت کا شکار ہوئے۔

انشا اپنی تعلیٰ میں شعر لکھتے ہیں لیکن کسی استاد شاعر یا بزرگ شعریت سخن کی بے حرمتی نہیں کی۔

بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے
جامی کی نظامی کی سعدی سحابی کی

شیخ سعدی وقت ہے انشا
تو ابوبکر سعد زنگی ہے

ے فاضلم علامہ دہرم وحید عصر خود
دیگری چوں من نباشد شاعر شیریں کلام
محض مخصوص جناب سید انشا بودہ است
ایں فصاحت ایں بلاغت ایں ہمہ جوش وخروش
یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانے کا
نہیں شعر وسخن میں کوئی اس کے ساکھ کا جوڑا
انشا صد آفرین ترے ذہن سلیم کو
مضموں زیادہ اس سے بھلا اور کیا بنے
کیست آں مرد مسلماں بندہ پروردگار
آنکہ نامش ہست در قرآں بہ تصریح آشکار

انشا سادات نجف سے تعلق رکھتے تھے اور اسی پر ان کو ناز تھا۔ لوگ جب گستاخانہ اور بے ادبانہ روّیہ اختیار کرتے تو وہ اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ذیل کے تمام مصراع اولی سے یہ ظاہر ہے کہ مصرعہ ثانی جواب میں لکھا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے مخاطب مصحفی اور ان کے شہدے شاگرد ہوں۔

ے بے ادب خدمت سادات میں بولے جو شخص
خوک کا آہنی اس کا ہو سر اور دھڑ پتھر
معاذ اللہ دشمن جو کوئی سادات کا ہووے
یقیناً وہ تو ہے دنیا میں ابن سعد کا جوڑا
تعظیم ما اگر نکنی خاک بر سرت
خود سیدیم و عالم و مرتاض عالییم
آن کیست کہ غیبت ام بگوید انشا
اندر دہن پدر کلانش شاشم

دو باتیں فارسی کی سیکھ اس نے میر انشا
بس لکھنو سے سارے کابل کا منہ چڑایا

کبھی اپنے دل کو یہ کہہ کر سکون دیتے ہیں۔

نہیں ہم فن کو باہم دیکھ سکتے لوگ یہ سچ ہے
لگا القاص سے ہے لا یحب القاص کا جوڑا
سوائے تیرے ولی کب کسی کو سمجھوں میں
محمدی ہوں نہیں تابع مطیع و نطیع
بندۂ بو ترابؑ ہے انشا
شک نہیں اس کی خاکساری میں

ہم اس مقام پر انشا کا آپ اپنا منظوم ریویو پیش کریں گے جو انہوں نے غزل مسلسل میں یوں نظم کیا۔

برب کعبہ کہ ہضما لنفسہ یہ بات
نہیں میں اپنے خصائل کو جانتا ہوں صریح
کٹے بہ لہو و لعب عمر طبع تھی مائل
کبھی بہ حسن ملیح و کبھی بہ رنگ صبیح
گہے تھے زیج اولغ بیگ ہاتھ میں مرے
مطالعہ میں سطر لاب کے گسے تطیع
فراغ ان سے جو حاصل ہوا تو پیش نظر
رہے مطول و توضیح و سلم و تلویح
کسی کی ہجو کہی فارسی میں گہ میں نے
قصیدہ عربی میں کسی کی کی تمدیح
نصات غامضہ وہ بولنے تشخص ساتھ
کدھر ہیں اب وہ کہاں فہم و علم و نطق فصیح
ہوئی ہے منتشر اوراق نسخہ صحت
حکیم و مطلق و شافی تجھی سے ہو تصحیح

پس مصحفی اور انشا کی شخصیتوں کو تذکروں اور کلاموں کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ مصحفی مسکین نہاد شریف النفس شخص تھے اور نہ انشا ہنگامہ آراء شوخ بھانڈ اور بھڑوے بلکہ جیسا کہ انشا کے تحقیقی مقالے کے مصنف شیام کا لڑا پیشا وری نے لکھا ہے اور ''لطائف السعادت'' کی مصنف ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ثابت کیا ہے ہر ادبی معرکہ کی پہل مصحفی اور دوسرے حریفوں کی جانب سے ہوئی اور انشا نے دفاعی جواب دیا اگرچہ بعض مقامات پر انھوں نے تیر کا جواب توپ سے دیا کیوں کہ وہ حساس اور جذباتی تھے۔ انشا حیا دار تھے، بھانڈ اور بھڑوے وہی اشخاص ہو سکتے ہیں جن کی مدح میں مصحفی نے لکھا کی یہ میرے شاگرد منتظراور گرم سے فلک بھی رزالت قرض کرتا ہے۔

کلیات میں ایک ہجو مصحفی کے نام بھی ہے جس کا ذکر آگے ہوگا۔ محمد حسین آزاد نے اور بعض دیگر مبصرین نے مصحفی اور انشا کے جھگڑے کی وجوہات بیان کی ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ پہلی وجہ مصحفی شہزادہ سلیمان شکوہ کی غزلوں پر اصلاح دیتے تھے انشا کے پہنچنے پر یہ کام انشا کے سپرد ہوگیا، صحیح نہیں۔ خود مصحفی کہتے ہیں کہ وہ انشا کے بعد انشا ہی کے توسط سے سلیمان شکوہ تک پہنچے۔ دوسری وجہ جب اصلاح کلام کی خدمت انشا کے سپرد ہوئی تو مصحفی کی تنخواہ میں کمی کر دی گئی، صحیح نہیں۔ خود مصحفی تذکرے ہندی میں لکھتے ہیں کہ وہ کلام کی اصلاح کی خدمت پر نہیں بلکہ شریک مجلس یاراں ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں شہزادے کی خدمت میں مدحیہ قصاید پیش کرنے کا موقع ملا۔ مصحفی نے کہا تھا ؎

؎ چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق
تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے
ہم بھی تھے کبھی روزوں میں پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر
ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

یہ کمی درحقیقت مصحفی کی شاعرانہ فخر فروشی اور ہم عصروں پر چوٹ کرنے کی وجہ سے ہوئی تھی یہاں مصحفی نے اپنے کو شاعری کا استاد کہا ہے اس سے مطلب یہ نہیں کہ وہ

شہزادے کے استاد تھے اس معرکہ آرائی کی اصلی وجوہات خود مصحفی کی فطرت تھی جو اپنے ہم عصروں کو چیلنج کرتی تھی اور دوسری طرف انشا کی جذباتی فطرت تھی جو ہر چیلنج کو قبول کرتی تھی۔ اس کے علاوہ مصحفی کے حلقہ میں شاگردوں اور شہدوں کا ہجوم اور انشا کا درباری مسخروں کی مصاحبت میں منہ پھٹ ہونا بھی شامل تھا۔ مصحفی اپنی گھٹتی ہوئی آمدنی اور کم ہوتا ہوا درباری رسوخ کا ذمہ دار انشا کو قرار دیتے تھے جب کہ فطرتاً وہ خود اپنی تباہی کے آپ ذمہ دار تھے۔ جس خط میں تنخواہ کی کمی پر اعتراض کرتے ہیں وہاں سر پھرے نوابوں اور شہزادوں کو اس طرح کہتے ہیں۔

؎ منہ تھیلوں کے کھلتے ہیں از بہر طوائف
یعنی کہ یہ بگڑے ہیں سب ابلیس کے لائق

پھر جرات اور رنگین کی دربار میں رسائی سے جل بھن کر کہتے ہیں۔

؎ چارہ کے لگانے سے ہوا دو کا اضافہ
پھر وہ نہ جلے جی میں ہوتیں کے لائق

مصحفی کی سخت کلامی گستاخانہ تعلّی اور شہزادے کے کاروبار میں مداخلت نے انہیں مزید دربار سے علیحدہ کر دیا چنانچہ اب عجز وانکساری و منّت بھی کچھ کام نہ کر سکی۔

؎ جاوے نہ اور در پہ برائے حصول نان
مانند نقش پا اسی در پر رکھے قرار
مشاہرہ مرا کچھ لکھدے اپنے لائق کو
ہے ترے قبضے میں اے ابن بو تراب قلم

یہاں انشا خاموش رہے۔ انشا کی کسی نظم یا نثر میں ان گستاخانہ تعلّیوں کا جواب نہیں، البتہ سودا کے شاگردوں نے ان سے چھیڑ چھاڑ ضرور کی۔ جب کام نہیں بنا تو مصحفی نے شہزادہ سلیمان شکوہ کی خدمت میں معذرتی قصیدہ روانہ کیا

؎ قسم بہ ذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے حضرت شہہ میں نہیں ہوئی تقصیر

سوائے اس کے کچھ حال اپنا کیا تھا عرض
سو وہ بطور شکایت تھی اند کی تقریر
گر اس سے خاطر اقدس پہ کچھ ملال آیا
اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
عوض رپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں
عوض دو شالہ کے خلعت بشکل نقش حریر
مصائب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو
تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر
یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا
کہ بزم و رزم میں ہے پائے تخت کا وہ مشیر
اگرچہ بازی انشا بے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازی تقریر

پھر فوراً تہدید شروع کرتے ہیں

گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی
اگر ہو پھر شرارت بشر ہوں میں بھی شریر
جواب ایک کے یاں دس ہیں اور دس کے سو
نگاہ کرتے تھے اول بایں قلیل و کثیر

گردن اور انگلی کی غزلوں کی داستان

اتنا تو مصحفی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا حریف ایک قادر الکلام پرگو شاعر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جذباتی، منہ پھٹ، شوخ اور لاابالی بھی ہے۔ مصحفی ظاہراً مسکین نرم صحبت اور ملنسار تھے چنانچہ انھوں نے شہزادہ سلیمان شکوہ کے دربار میں جو ماہانہ مشاعرہ ہوتا تھا اس میں ایک جدید ردیف اور مشکل قافیہ میں سمجھ کر غزل پڑھی کہ انشا اس ردیف اور قافیہ میں ضرور انگلی ڈالیں گے اور ہوا بھی وہی لیکن جس قافیہ بندی کے وہ منتظر تھے انشا نے اسے استعمال نہیں کیا مگر سعادت یار خان نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ے زہرہ کی جب آئی کف ہاروت میں انگلی
کی رشک نے جا دیدۂ ماروت میں انگلی
مہندی کے یہ چھلے نہیں پوروں پہ بنائے
ہے اس کی ہر ایک حلقہ یاقوت میں انگلی
غرفے کا ترے حال پھر از بہر تاسف
ہر موج سے تھی کل دہن حوت میں انگلی
مطرب بجے جس وقت کہ تو چھیڑے ہے قانوں
ناچے ہے تری عالم لاہوت میں انگلی

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

غزل کا پڑھنا تھا کہ ہر طرف سے داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ سعادت علی خان ناصر تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں لکھتے ہیں کہ سید انشا نے جواب میں غزل پڑھی۔ سید محسن علی ''سراپا سخن'' میں لکھتے ہیں کہ انشا نے شہزادہ سلیمان شکوہ کے اشارے پر فوراً غزل کو الٹ کر جو غزل پڑھی وہ یہ ہے۔

زہرہ کی گئی کب کف ہاروت میں انگلی
کب رشک نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
دیکھا ہے کہیں حلقہ یاقوت جو تم نے
دی ان کی پھنسا حلقہ یاقوت میں انگلی
پہنچائے ہے مخلوق کو خالق کی جگہ پر
مطرب کی نچا عالم لاہوت میں انگلی
ہیں آپ جلا ہے کے خسر یا وہ تمہارا
الجھائے اسی واسطے ہیں سوت میں انگلی
تھا مصحفی کا نا کہ چھپانے کو پس مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

آزاد لکھتے ہیں کہ غزل کو الٹ کر بڈھے بچارے کے کلام کو خراب کیا۔ چند شعر اس کے خیال میں کہ فحش قبیح کہنے کے قابل بھی نہیں۔ جو اشعار ہم نے لکھے یہ کلیات انشا میں ہیں اور نہ ''آب حیات'' میں آزاد نے لکھے یہ تو انشا کی خوش بختی تھی کہ سید محسن علی نے ان شعروں کو ''سراپا سخن'' میں لکھا جو ہم تک پہنچے ورنہ لوگ آزاد کی تہمت کو باور کر لیتے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان شعروں میں فحش و قبیح کہاں ہے؟ چوتھے شعر میں سوالیہ طنز ہے کہ کیا جلا ہے ہیں یا آپ کے خُسر اور آخری شعر میں شوخی ہے۔ اس کے علاوہ انشا نے ایک سنجیدہ غزل بھی اسی ردیف میں اور قافیہ میں لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

ے دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
لپٹے ہے مری آہ فلک میں تو کہوں میں
یوں ڈالتے ہیں بنی مسکوت میں انگلی
یوں ہے تری حضر پہ حنا جیسے کہ تر ہو
داؤد کی خون سر جالوت میں انگلی
ناسوت کے عالم میں پئے سیر ہم انشا
کرتے ہیں شگاف در لاہوت میں انگلی

چونکہ انشا کی غزل خوب اور زور بیان سے سرشار تھی۔ مصحفی نے اس غزل کا جواب یوں دیا۔ ہم قارئین پر آزاد کے بیان کی صداقت کو چھوڑتے ہیں کہ کس نے فحش قبیح شعر لکھے۔

ے بے معنی ہے خون سر جالوت میں انگلی
جیسے دہن عابد طاغوت میں انگلی
کچھ مصرعہ اول سے نہیں ربط بھی اس کو
حاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
جورو تری چھیلا ہو تو کیوں کر نہ کروں غش
دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی
مادر کا یہ رحم اپنے ٹٹولے ہے تو شاید
کرتا ہے جو بیٹھے شکم حوت میں انگلی

اس غزل کو آزاد نے آب حیات میں نہیں لکھا۔

ادھر مصحفی نے اپنے شہدے شاگردوں کو تیز کیا۔ پھر اس ردیف اور قافیہ میں فحش اور مغلظات کا سانڈ اس شروع ہو گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ منتظر اور گرم کے اشعار تھے یا ان کے استاد کے چونکہ اشعار میں استادی رنگ کی جھلک ضرور ہے۔

منتظر کے صرف دو شعر نمونے کے لئے ہیں ے

ے واں جورو نچائے تری بازار میں انگلی
اور لوگ کریں یاں ترے دربار میں انگلی
اے ہیز عجب کیا ہے اگر از رہ خلطہ
تو اس کے کرے اور وہ ترے پیار میں انگلی

گرم نے کہا

ے اس جرم پہ لازم ہے ترے ہاتھ کو کاٹیں
کرتا ہے شگاف در لاہوت میں انگلی
کتے کے تئیں چاہیے آئینہ دکھائے
نہ یہ کہ کرے بنی مسکوت میں انگلی

مجالس رنگین کے مؤلف سعادت یار خان رنگین کی تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصحفی کو جس قافیہ کا انشا سے انتظار تھا اس کمی کو خود رنگین نے پورا کیا چنانچہ اس شعر کو سلیمان شکوہ اور انشا سن کر پھڑک اٹھے۔

ے دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی
بیٹھی ہے پری اپنی دیے--- میں انگلی

اس ادبی انگلی کے بعد مصحفی نے پھر ایک بار شہزادہ سلیمان شکوہ کے دربار میں اپنی استادی جتانے کے لئے ثقیل قوافی اور مشکل ردیف میں آٹھ اشعار کی غزل لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں

ے سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن
نے موے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن
مچھلی نہیں ساعد میں ترے بلکہ نہاں ہے
وہ ہاتھ میں ماہی سقنقور کی گردن
دل کیوں کہ پری حور کا پھر اس پہ نہ پھسلے
صانع نے بنائی تری بلور کی گردن

کیا جانئے کیا حال ہوا صبح کو اس کا
ڈھلکی ہوئی تھی شب ترے رنجور کی گردن
یوں زلف کے حلقہ میں پھنسا مصحفی اے وائے
جوں طوق میں ہووے کسی مجبور کی گردن

انشا نے اس غزل کے قافیوں اور مضمون پر اعتراض کرتے ہوئے ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار جو مربوط ہیں یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

سن لیجئے گوش دل سے مرے مشفقا یہ عرض
مانند بید غصہ سے مت تھرتھرائیے
بلور گو درست ہو لیکن ضرور کیا
خواہی نخواہی اس کو غزل میں کھپائیے
کیا لطف ہے کہ گردن کافور باندھ کر
مردے کی باس زندوں کو لا کر سنگھائیے
گردن کا دخل کیا ہے سقنقور میں بھلا
سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائیے
دستور و نور و طور یہ ہیں قافیے بہت
اس میں جو چاہیے تو قصیدہ سنائیے
ایسے نجس کثیف قوافی سے نظم میں
دندان ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے
استاد گرچہ ٹھہرے ہیں صاحب یوں ہی سہی
لیکن ڈھکی ہی رکھئے بس اس کو چھپائیے

اس کے علاوہ انشا نے اسی ردیف اور قوافی میں ایک غزل بھی لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توڑوں گا خم بادۂ انگور کی گردن
رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

کیوں ساقی خورشید جبیں کیا ہی نشے ہوں
سب یونہی چڑھا جاؤں مئے نور کی گردن
آئینہ کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سر خرس کا' منہ خوک کا' لنگور کی گردن
اچھلی ہوئی ورزش سے تری ڈنڈ پہ مچھلی
ہے نام خدا جیسے سقنقور کی گردن
اے دیو سفید سحری' کاش تو توڑے
اک مکے سے خور کے شب دیجور کی گردن
محفل میں تری شمع بنی موم کی مریم
پگھلی پڑی ہے اس کی وہ کافور کی گردن
حاسد تو ہے کیا چیز کرے قصد جو انشا
تو توڑ دے جھٹ بلعم باعور کی گردن

جب انشا کے اعتراضات مصحفی تک پہنچے تو انھوں نے پچیس اشعار کا ایک قطعہ لکھ کر اس کا جواب دیا۔ یہاں ہم صرف وہی اشعار لکھیں گے جن کا اعتراض سے تعلق ہے۔

اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے
تو نے سپر عذر میں مستور کی گردن
ہے آدم خاکی کا بنا خاک کا پتلا
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
میں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن
گردن تو صراحی کے لیے وضع ہے ناداں
بے جا ہے خم بادۂ انگور کی گردن
لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن

کافور سے مطلب ہے مرا اس کی سفیدی
ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کافور کی گردن
کافور تو میت کا اسے سمجھے بہ ایں عقل
اور آپ جو پھر باندھے تو کافور کی گردن
مضمون وہ میرا ہی ہے گو اور طرح سے
باندھے ہے گماں اپنے میں رنجور کی گردن
جو گردنیں باندھی ہیں میں لا تجھ کو دکھا دوں
تو مجھ کو دکھا دے شب دیجور کی گردن
ٹوٹے ہوئے پنچے کی طرح میرے قلم سے
جاتی ہے پچک شاعر مفرور کی گردن
اے مصحفی خامش یہ سخن طول نہ کھینچ جائے
یاں کو تہ ہی بہتر سر پر شور کی گردن

اگر ان دونوں شاعروں کی اعتراضات اور جوابات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتنے باکمال اور قادر الکلام تھے اور مسائل شعر سمجھنے کی کسی قدر قدرت رکھتے ہیں۔ دونوں طرف کے اعتراضات کا محاکم کیا اور دونوں کو کسی حد تک صحیح اور کسی حد تک غلط بتایا۔ یہ مسائل کیوں کہ ہماری تحریر کا مقصد نہیں اس لئے ان کو یہیں چھوڑ کر یہ کہیں گے کہ اس معرکہ میں ایک طرف انشا اور سلیمان شکوہ تو دوسری طرف مصحفی اور ان کے مخصوص شہدے شاگرد کود پڑے اور اسی زمین میں اشعار لکھے۔ سلیمان شکوہ نے انشا کی طرفداری کی' لکھا۔

ے خالق نے بنا کر کے تری نور کی گردن
کی اس پہ تصدق وہیں اک حور کی گردن
سب صاحبوں نے اس کو جو باندھا ہے یہ کہئے
دیکھی ہے کسی نے بھی سقنقور کی گردن

اور دوسرے ہے لفظ بلور اس کو بھی احمق
کہتے ہیں زبردستی سے بلور کی گردن
اور تیسرے ماہی کو جو ماہی پڑھو ہو
ہاں اس پہ ہے عقل کے معذور کی گردن

جب شاہ اس میدان میں اترے تو گدا کیوں نہ کودیں چنانچہ حیدر علی گرم نے یہ اشعار لکھ کر بھیج دیئے ۔

کل شمع نے دیکھی تھی جو اس حور کی گردن
دی آگ میں رکھ اپنی وہ کافور کی گردن
سب عفو تیرے نور تجلی میں بھرے ہیں
نافہم کے آگے ہے فقط نور کی گردن
اے گرم پڑھ اب ایسی غزل سننے سے جس کے
چھپ جائے گریبان میں مفرور کی گردن
ماہی کی اضافت پہ جنہیں ہووے تامل
بے سر ہے وہ پھر ان کی سقنقور کی گردن
سر کاٹ کے اس کا ابھی گنگا میں بہا دوں
لگ جائے مرے ہاتھ جو لنگور کی گردن

آزاد کہتے ہیں یہاں لنگور سے مراد انشا ہیں کیوں کہ وہ ہمیشہ ایسا مفلر گردن میں ڈالتے ہیں جس کا ایک سر آگے اور ایک سرا پیچھے ہوتا تھا۔ مصحفی کے ایک شاگرد رشید خلیل نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی اور یہ اشعار نمونے کے پیش کئے جاتے ہیں۔

عرفی نے خموشی کو خموشی کہا ہے
اس سے یہ ہے ماہی سقنقور کی گردن

منتظر نے بھی دو غزلیں لکھیں ان کے تین شعر دیکھئے۔

ہو سکتی ہے ماہی سقنقور کی گردن
لیکن نہیں ثابت شب دیجور کی گردن

مغرور عبادت نہ ہو زاہد کہ ہوئی ہے
شاہان برس بلعم باعور کی گردن

انشا بھانپ گئے کہ یہ سب کارکردگی مصحفی کر رہے ہیں۔ مصحفی کے سفید سر اور گورے چہرے کو یوں نظم کیا۔

یہ شعر آب حیات میں ہے۔

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو
سرسوں کا منہ پیاز کا اچور کی گردن

منتظر نے جواب دیا۔

حاسد وہ برس گو ہے کہ کچھ اس سے نہیں دور
باندھے وہ اگر شعر میں اچور کی گردن

مسئلہ یہاں پر ختم نہیں ہوا۔ انشا اور مصحفی کی جانب سے شہر میں سوانگ جلوس نکالے گئے جس میں طرفدار اور ہوخواہان مخالف کی ہجو پڑھتے ہوئے حریف کے گھر جاتے۔ آزاد نے لکھا کہ پہلے مصحفی کے شاگردوں نے ایسا جلوس نکالا لیکن سعادت یار خان کے قول کے مطابق انشا نے پہلے جلوس نکالا۔ بہرحال انشا کو اطلاع ملی کہ ان کے خلاف سوانگ آ رہا ہے تو انہوں نے گھر سجایا، لوگوں کو مدعو کیا، پھولوں اور مٹھائیوں کی چنگیریاں منگوائیں اور جب یہ لوگ گھر پر پہنچے تو ان شہدوں کا استقبال کیا اور ان کی ہجویں سن کر تعریف کی اور انہیں بڑے احترام سے روانہ کیا۔

ناصر نے ''خوش معرکہ'' میں لکھا کہ انشا نے جو اس کا جواب دیا وہ قیامت تھا۔ انشا کی طرف سے ایک انبوہ کثیر جس میں کئی افراد ڈنڈوں پر ہجویں پڑھتے ہوئے، بعض لوگوں کے ہاتھوں میں گڈا اور گڑیا تھی لڑاتے ہوئے پڑھتے تھے۔

ہے سوانگ نیا لایا دیکھنا چرخ کہن
لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن

جس وقت یہ سوانگ مصحفی کے گھر پہنچا، منظر اور گرم چاہتے تھے کہ حملہ آور ہوں لیکن مصحفی نے روک دیا۔ پھر ان شاگردوں نے جن کا غصہ شمشیر و خنجر سے نہ نکل سکا تو تیغ

زبان کو ذریعہ بنا کر مغلظات لکھیں اور دل کی بھڑاس نکالی لیکن اس میں تمام اخلاقی حدوں کو کچلا گیا۔انشا کی ہجو میں سولہ(۱۶) بند کا فحش اور قباحت سے بھرا منتظر نے مخمس لکھا جس کا معروف مصرعہ یہ ہے ؎

والله کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے

کچھ بند یہ ہیں

؎ انگلی تری جورو تجھے بہکا گئی بھڑوے
جن جن سے یہ بھڑتا تھا وہ بھڑوا گئی بھڑوے
یہ روز تماشا تجھے دکھلا گئی بھڑوے
اک شمع ادھر--- سے وہ کھا گئی بھڑوے
چربی ادھر آنکھوں میں تری چھا گئی بھڑوے
زن دوسری کھیلے ہے تری نین مٹکا
ہے وہ بھی چھنالوں میں کوئی زور ہی چھکا
تجھ سے بھی ولی کم ہے دغا باز اچکا
گاہ اپنا مدنیہ کہے گا' اس کو تو مکا
اس بات پہ صدقے تری بڑھیا گئی بھڑوے

انشا نے اس کی ساری ذمہ داری مصحفی پر ٹھہرائی اور ایک طویل ترین بحر تخلیق کی اور اس میں چار مصراع فارسی میں لکھے جن کی ردیف ''اندر دہنت شامہ عالم'' یعنی ''ترے منہ میں دنیا بھر کا پیشاب'' اور ان مصرعوں کا قافیہ ناداں' حیراں ثنا خواں اور مرداں رکھا۔ مضمون کی طوالت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف تیسرے مصرعہ کا ترجمہ پیش کریں گے۔ منتظر نے اللہ کی قسم کھا کر انشاء کو بھانڈا اور بھڑوا کہا تھا۔ اس لیے انشا نے پہلا مصرعہ خدا کی قسم سے شروع کیا۔ تیسرے مصرعہ میں کہتے ہیں ''اگر تو ابلیس کا نطفہ نہ ہو تو کیسے دل مجھ جیسے سید کا دُکھاتا ہے جو امام حسینؑ کی اولاد ہے' نجیب طرفین ہے' شریف' لطیف' فصیح اور بلیغ ہے۔ جو تیرا محسن ہے اور جو تجھ پر سوائے محبت اور کرم کے کچھ اور نہیں کیا اور تری تعریف اور ثنا کے سوا کچھ نہیں کہا کیونکہ تیرا ثنا خوان تھا۔ ساری دنیا کا پیشاب تیرے منہ میں ہو''۔

شیشے میں بال آنے کے بعد نکل نہیں سکتا۔ اگرچہ ایک دوسرے پر ملامت اور ہجو سے کنارہ کشی ہوئی اور مصحفی نے کبھی ''دربار امراء میں چغد کی ارزش ہو'' اے مصحفی واں آکر کیا خوش ہوں ہما والے دل کو سہارا دیا۔ تو کبھی اپنی مظلومی کو اس طرح بہانہ کیا۔

جاتا ہوں تیرے در سے کہ توقیر نہیں یاں
کچھ اس کے سوا اب میری تدبیر نہیں یاں
اے مصحفی بے لطف ہے اس شہر میں رہنا
سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں

لیکن مصحفی نے کبھی لکھنو نہیں چھوڑا اور انشا کے مرنے کے سات آٹھ سال بعد یہیں سپرد خاک ہوئے۔ انشا نے مصحفی کو

میر و قتیل و مصحفی و جرات و مسکین
ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار چار پانچ

قبول کیا۔ مصحفی نے انشا کے انتقال پر تاریخی قطعہ لکھا۔

انشا اللہ خاں کہ بود از فصحا
زیں دار چوں رفت جانب ملک بقا
تاریخش گفت مصحفی بے کم و کاست
اے وائے کہ مردہ قدردان شعرا
(۱۲۳۳ھ)

اس مضمون کے اختتام پر ہم اس بات پر متفق ہیں جو انشا نے کہی تھی۔

نہیں ہم فن کو باہم دیکھ سکتے لوگ یہ سچ ہے
لگا القاص سے ہے لایحب القاص کا جوڑا

انشاء کے مذاکرے اور مناظرے

انشاء اور فائق کے ادبی معرکہ کی زیادہ اہمیت نہیں۔ فائق ایک معمولی شاعر تھے مگر صاحب دیوان تھے۔ بعض تذکروں میں انہیں دہلوی اور بعض میں انہیں لکھنوی بتایا گیا ہے۔ ایک شعر میں انہوں نے ''ید'' کو مشدد لکھ کر سنایا۔ انشاء اللہ خان نے فوراً ان کی غلطی کو بھانپ لیا اور ایک ایسی طنزیہ ہجو لکھی جس میں غیر مشدد الفاظ بھی مشدد لکھے۔ انشاء کے طنزیہ ہجو کے مقطع سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے یہ ہجو برسر عام سنانے سے پہلے فائق کو ان کی غلطی بتا دی ہوگی اور شاید انہوں نے ''اجازہ شعری'' کی سند کا سہارا لے کر اپنی غلطی نہ مانی ہوگی۔ انشا کی ہجو فارسی میں ہے اور آٹھ اشعار پر مشتمل ہے اس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا
کہ چون ذہن او ذہن رسا نباشد
چو تشدید در شعر ضرورت افتد
تشدید صحیح چرا نباشد

آب حیات میں آزاد نے لکھا کہ فائق نے جوابی ہجو لکھی اور انشا کو گھر جا کر سنائی۔ یہ ہجو اب دستیاب نہیں۔ انشا نے ہجو سنی، تعریف کی اور پانچ روپے بھی دیئے لیکن جب فائق جانے لگے تو ان کو روک کر کہا کہ ابھی کچھ حق باقی ہے اور فوراً فی البدیہہ یہ قطعہ لکھا اور ان کو دے دیا جو یہ ہے۔

فائق بے حیا چو ہجو گفت
دل من سوخت سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپیہ دادم
دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

رقعات قتیل میں مرزا محمد حسین قتیل کہتے ہیں کہ فائق تقریباً تین سال تک ''یذ'' مشدد کی سند لغات میں تلاش کرتے رہے لیکن انہیں یہ سند نہ مل سکی چنانچہ تین سال بعد کاموس سے یہ سند نقل کر کے قتیل کو روانہ کیا کہ غیر فصیح لوگ ''یذ'' کو مشدد بھی استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح انشاء اور مرزا سبحان علی بیگ راغب کا معرکہ بھی کچھ اہمیت کا حامل نہیں۔ چونکہ راغب اور انشا کی ہجویات ہمارے درمیان نہیں اس جھگڑے کی اطلاع ۱۹۵۱ء میں قاضی عبدالودود نے رقعات قتیل اور شیفقہ کے گلشن بے خار کے جملہ ''با انشا اللہ خان بر طرف افتادہ رکیکہ گفتہ'' سے لیا۔ تذکرے نغز میں راغب کو انشا کا شاگرد بتایا ہے اور ان کے یہ دو شعر اس میں نظم کیے گئے۔

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے
اپنے یہاں برنگ گل اڑ گئے کچھ حواس سے
منہ ڈوپٹے میں چھپایا اس نے
دل کو پردے میں لبھایا اس نے

اس جھگڑے کا قصہ یہ ہے کہ انشا نے راغب کے نام سے بعض امراؤں کی ہجو لکھی جس کا پتہ چلنے پر راغب نے انشا سے قطع تعلق کیا اور انشا کی ہجو لکھی۔ لیکن اس واقعہ کی کوئی سند اور ایسی کوئی ہجو ہمارے درمیان نہیں۔ ویسے بھی انشا نے یہ مصحفی کی ترکیب کبھی استعمال نہیں کی جو کچھ بھی کہا منہ پر کہا ورنہ نواب سعادت علی خان کو منہ پر ''انجب'' کہہ کر شاہی عتاب کی نذر نہ ہوتے اس لیے یہ پوری داستان محتاج تحقیق ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مرزا محمد عسکری نے کلام انشا کے مقدمے میں ایک رباعی لکھ کر اس کو انشا کی ہجو میں بتایا ہے جس کا لکھنے والا مرزا محمد عظیم آبادی بیکس ہے لیکن قاسم نے مجموعہ نغز میں اسی رباعی کو کسی بزرگ سے منسوب کیا ہے جس سے بیکس

ناراض تھے۔ رباعی میں انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کے الفاظ سے مرزا عسکری کو شاید دھوکا ہوا ہو۔ رباعی یہ ہے

رباعی۔ ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ
سب کہتے ہیں زیادہ ہوں گے انشاء اللہ
باطن میں دیکھا انہیں اتنے ہیں پوچ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اس معرکہ آرائی کے بیان کو ہم انشا اور قتیل کے ادبی مناظرے پر تمام کریں گے۔ بعض مبصروں، ناقدین اور تذکرہ نویسوں نے اس کو انشا اور قتیل کا ادبی معرکہ کہا ہے لیکن دراصل یہ معرکہ نہیں بلکہ دو قادرالکلام عالم ادیبوں کا مناظرہ ہے۔ مرزا محمد عسکری کلام انشاء میں انشاء کی خودنوشت فارسی کا حوالہ دیتے ہیں جس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے کہ ''ایک روز نماز ظہر پڑھنے کے بعد انشا تلاوت قرآن میں مشغول تھے، قتیل بھی تلاوت کو سن رہے تھے۔ جب انشا نے لفظ ''معنا'' کو ''معنا'' پڑھا تو قتیل نے ٹوک کر کہا ''معنا'' پڑھنا چاہیے کیونکہ ''نون'' پر سکون ہے لیکن انشاء نے ان کی نہ سنی اور فوراً کبت کہا۔

کبت۔ کہنے جو کہ قتیل صحیح ہے وہ کہ کھری ہے اور گدھے کی ہے دم
کہے وہ جو خدا معنا سو غلط نہ طریق ارشاد کو کیجئے گم
مع ہو جو مضاف تو عین کو جزم اجی کیوں ہو بھلا وہ کہو مجھے تم
تو مثالیں غلط ہوں یہ سب معہ معہا من معنا معکم

دوسرا واقعہ رقعات قتیل سے لفظ ''ہجر'' کے مناظرے کے متعلق ہے۔ یہ واقعہ کہتے ہیں مرزا جعفر اور انشا کے درمیان ہوا۔ مرزا جعفر ہجر کو اس کی شہرت کی طرح ''زیر'' سے پڑھتے تھے اور انشا اس کو ''زبر'' سے پڑھتے تھے۔ اس واقعہ کو آزاد نے آب حیات میں مسٹر بیلی سے منسوب کیا ہے۔ بہرحال قتیل نے جب مرزا جعفر کی تائید کی تو انشا نے منظوم جواب دیا جس کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں جن میں ادبی بحث کے علاوہ دوستانہ طنز اور شوخی بھی ہے۔

۔ انیسا مشفقا بندہ نواز
لم حراتنی قولا ثقیلا

وہ خط لکھا کہ بس پڑھتے ہی میرا
ہوا غصے کے مارے رنگ نیلا
بہ معنی چست و چالاک ہے تو
نظر آیا و لیکن سخت ڈھیلا
بلا تحقیق لفظ ہجر میں کل
لیا کیوں حاے حطی کا وسیلا
وہ حجراً ہے جو محجوراً کے ہمراہ
سو ہے حطی ہی ہاں مرزا قتیلا
ذرا سورہ مزمل میں تو دیکھ
کہ ہے بالفتح واں ہجراً جمیلا
بھلا آ تو سہی میں بھی پڑھوں گا
یہی آیت ومہلھم قلیلا
پھر او شاخ نبات اٹکھیل سے کہہ
اٹھا دیوان حافظ تو ذری لا
سلام ھی حتی مطلع الفجر
یہی مصرع ہے اس کا سجیلا

انشاء اللہ خان انشاء کے شاہکار دیوان بے نقط

آب حیات میں مولانا آزاد نے اردو کے عظیم شاعر پر ریویو لکھتے ہوئے ان کے شاہکار دیوان ''بے نقط'' پر پندرہ الفاظ میں یوں تبصرہ کیا ''دیوان بے نقط ایک معمولی طبع آزمائی ہے اس میں کوئی بات قابل تحریر نہیں''۔ علامہ شبلی نے صحیح کہا تھا کہ ''مولانا آزاد اگر گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے''۔ چنانچہ اس سحر آمیز آب حیات کے جملہ کا اثر ایسا شدید ہوا کہ آج سو سال بعد بھی کسی نے اس دیوان بے نقط پر سو الفاظ میں بھی ریویو نہیں کیا۔ شاید یہ مضمون اس دیوان پر پہلی جامع تحریر ہو۔ صنعت بے نقط یا صنعت غیر منقوطہ کو صفت مہملہ بھی کہتے ہیں۔

یہ صنعت علم بدیع کے صنائع لفظی میں شمار کی جاتی ہے۔ اس صنعت کے کلام میں سب حروف بغیر نقطے کے ہوتے ہیں یعنی جن حروف کے اوپر، درمیان یا نیچے نقطے ہوتے ہیں وہ استعمال نہیں ہوتے۔ ہندی کے بعض حروف جیسے ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ، ڑ وغیرہ پر قدیم زمانے میں ''ط'' علامت کی جگہ چار نقطے لگائے جاتے تھے اس لیے غیر منقوطہ صنعت میں یہ حروف بھی استعمال نہیں ہوتے۔ اس طرح قواعد اردو مولوی عبدالحق کے بیان کردہ پچاس (۵۰) حروف تہجی سے صرف، چودہ (۱۴) حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔ سید انشاء اللہ خان انشاء (۱۷۵۲–۱۸۱۷) اردو ادب کے وہ پہلے عظیم شاعر ہیں جنہوں نے نظم اور نثر

میں اس صنعت کے جوہر کھل کر دکھائے۔ نثر میں ایک پوری داستان ''سلک گوہر'' غیر منقوطہ ہے۔ یہ داستان تقریباً چالیس (۴۰) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ نظم میں ایک پورا غیر منقوطہ دیوان موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک ایک سو اشعار پر مشتمل غیر منقوطہ مثنوی فارسی میں اور ایک منقبت ''قصیدہ الطّور'' غیر منقوطہ حضرت علیؑ کی شان میں پچپن اشعار (۵۵) میں لکھی جس میں عربی، فارسی، ترکی اُور اردو کے اشعار شامل ہیں۔ انشا کے غیر منقوطہ اردو دیوان میں ایک حمد، ایک مخمس اور چوبیس (۲۴) غزلیات شامل ہیں۔ یہ تمام دیوان سوائے ایک فارسی کی غزل کے پورا کا پورا اردو میں ہے جس میں کل اشعار کی تعداد (۳۳۲) کے لگ بھگ ہے۔ صنعت بے نقط کے ذیل میں اس بات کا ذکر بھی خارج از بیان نہیں کہ آج سے تقریباً چار سو سال قبل ہندوستان کی سرزمین پر شہنشاہ اکبر کے دربار کے نورتن کا گہر اور ملک الشعرا شیخ فیضی قرآن مجید کی تفسیر غیر منقوطہ ''سواطہ الالہام'' لکھی اور اس کا مادہ تاریخ میر حیدر علی معمائی نے سورہ اخلاص بغیر بسم اللہ کے (۱۰۰۲) نکالی۔ اس کے علاوہ فیضی نے اخلاق پر ایک غیر منقوطہ کتاب ''موارد الکلم'' بھی لکھی ہے۔ ان غیر منقوطہ تحریروں کو جب حاسدوں نے ایک عبث کاوش قرار دیا تو فیضی نے ان کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ کلمہ طیبہ جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان منحصر ہے جب وہ خود بے نقطہ ہے تو بس اس سے بڑھ کر بے نقط تحریر کی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے؟ سید انشا کے بعد جب شاعروں نے اس صفت میں شہرت حاصل کی ان میں مشہور مرثیہ گو مرزا سلامت علی دبیر سرفہرست ہیں، جن کا ایک پورا مرثیہ اسی صنعت میں ہے۔ مرثیہ کے مطلع کا بند یہ ہے۔

ہم طالع ہما مرا وہم رسا ہوا
طاؤس کلک مدح ہوا اور ہما ہوا
مطلع ہمارا مطلع مہر و سما ہوا
اور دوحہ کلام سراسر ہرا ہوا
ہوگا عطارد اسم معرا ہمارا عام
کس کس کا اس طرح سے مسلم ہوا کلام

اس بند کے تقریباً تمام تر الفاظ انشاء کے غیر منقوطہ دیوان میں موجود ہیں جس

سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا دبیر کے غیر منقوطہ کلام پر انشا کے کلام کی گہری چھاپ ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں کسی نعت گو شاعر نے بھی اس صنعت میں نعتیں کہہ کر اس صنعت کو دوبارہ زندگی بخشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حروف نقطہ دار اردو اور فارسی نثر کے نمک و مرچ حروف ہیں ان کے بغیر لفظوں میں مزہ باقی نہیں رہتا اور اس صنعت کی پابندی کی وجہ سے شاعر کو غیر مانوس، ثقیل، مشکل اور بھدے الفاظ اور دوسری زبانوں کے الفاظ حاصل کرنے پڑتے ہیں جس سے شعر کی شگفتگی، سلاست، روانی، سادگی اور شیرینی ختم ہو جاتی ہے، بلکہ شعر ایک معمہ، چیستان، خشک ادبستان اور الفاظ کا قبرستان بن جاتا ہے اور اغلب شعرا اسے اپنی استادی منوانے قادر الکلامی دکھانے اور صنعت گری بتانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک انشا کی نثری داستان ''سلک گوہر'' کا تعلق ہے یہ خشک، مشکل، غیر مانوس اور بوجھل ہے اور اس صنعت نے داستان کا لطف بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے ''اردو کی نثری داستانیں'' میں صحیح کہا ہے کہ ''اس بے لطفی کی وجہ سے پوری داستان کا پڑھنا تقریباً محال ہوگیا ہے''۔ نثر کے برخلاف انشا کا منظوم غیر منقوطہ کلام بہت بہتر ہیں اور شاید ہی کوئی دوسرا اردو یا فارسی کا شاعر ہو جس کے مہملہ کلام میں اس قدر روانی، تازگی اور سلاست ہو۔ شعرا کی صنعت گری کے بارے میں حافظ نے لکھا تھا

؎ آن را کہ خواندی استاد گر بنگری بہ تحقیق
صنعت گریست اما طبع رواں ندارد

(یعنی جس کو تو نے استاد کہا ہے اگر تحقیق سے دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ ضرور صنعت گر ہے لیکن اس کے شعروں میں روانی نہیں) لیکن انشا نے صنعت گری کے ساتھ ساتھ روانی کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس کے لیے انہوں نے طویل ردیفیں استعمال کیں تاکہ مشکل اور غیر مانوس الفاظ کے داخلی آہنگ کی کمی طویل ردیفوں کی موسیقی سے پوری ہو جائے۔

؎ موسم گل کا ہوا گہرا سہاگ
کاسہ مل کا ہوا گہرا سہاگ
حور و مہر و ماہ اہل سدرہ کو
سم دل دل کا ہوا گہرا سہاگ

سرگرو ہو سرگرو ہو سرہ
سر و معمل کا ہوا گہرا سہاگ
لوگو انشاء کو دوائے المسک دو
دام کا کل کا ہوا گہرا سہاگ

انشا نے اپنے تمام غیر منقوطہ دیوان میں صرف ایک ہی لفظ ''انشاء'' ہر جگہ منقوطہ طریقہ پر لکھا ہے لیکن ان کا مشہور غیر منقوطہ قصیدہ ''طور الکلام'' میں تخلص ''انشا'' کی جگہ ''لو آراد اللہ'' لکھا اور اس کی توضیح میں کہتے ہیں ''انشا اللہ بہ معنی این کہ اگر ''بخواہد خدا و معنی لو آراد اللہ یعنی اگر خدا ارادہ کند۔ پس ہر دو معنی متحد دانستہ' لو آراد اللہ مراد از انشا اللہ است۔ منقبت غیر منقوطہ کا مقطع یہ ہے

ے ممدد مالک معلوم لو آراد اللہ
ملال اس کا کرو دور دل کو دو آرام

غیر منقوطہ دیوان کی غزلیں چھوٹی بحر میں ہیں۔ چوبیس (۲۴) غزلوں میں صرف سات غزلیں غیر مردف ہیں۔ اکثر غزلیں کم سے کم پانچ اشعار اور زیادہ سے زیادہ دس اشعار پر مشتمل ہیں۔ بعض ردیفیں ساری کی ساری عربی ہیں اور بعض فارسی جیسا کہ ان غزلوں کے اشعار سے ظاہر ہے۔

ے حور عروس مدعا صل علیٰ محمدؐ
عطر سہاگ کا لگا صل علیٰ محمدؐ
سلسلہ کلام گرم اور ہوا و سرو سرد
وصل سما و مہر کامل علیٰ محمدؐ
وارد معرکہ ہوا مہرۂ ماہ و مہر کو
اور عطارد و سما صل علیٰ محمدؐ
آس مراد کا ادھر اور ادھر کو گل کھلا
گل کدہ سارا لہلہا صل علیٰ محمدؐ
صل علی محمد آل رسولؐ کا رہا
ہم کو مدام آسرا صل علیٰ محمدؐ

دوسری غزل کے کچھ شعر دیکھئے۔

موسم گل ہو اور ہو گل دم
گل کدہ لہلہا حماک اللہ

ہو حصول مراد ہر دو سرا
ادھر آ کر صدا حماک اللہ

ورد حمد و درود کر ہم دم
کاملا عاملا حماک اللہ

کر دعا اور آل احمدؐ کا
رکھ سدا آسرا حماک اللہ

فارسی ردیف ''آہ گروہ اہل صلاح'' کے چند طنزیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

موسم گل کا لہلہا سارا آہ گروہ اہل صلاح
دور ہوا کل کاسہ مل کا آہ گروہ اہل صلاح

لالہ کھلا سو کوس سراسر رعد ہوا کا وہ عالم
ولولہ دل کا معاملہ آرا آہ گروہ اہل صلاح

آل رسولؐ اللہ سوا ہو اسرا کس کا انشا کو
اور ہو کس کا اس کو سہارا آہ گروہ اہل صلاح

مشہور ہے کہ انشا اللہ خان نے سولہ(۱۶) سال کی عمر میں ہی ایک چھوٹا سا دیوان مکمل کر لیا تھا' چنانچہ ان کے کلام کے نمونے جات تقریباً ڈھائی سو سال قدیم ہیں جن میں کئی الفاظ اب متروک ہو چکے ہیں اور بعض الفاظ غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی غیر منقوطہ غزلوں کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو اس زمانے کی شاعری میں ہوا کرتے تھے۔ چونکہ انشا کی طبیعت شوخ اور ظریف تھی اس لیے غزلوں میں ایسے اشعار نظر آتے ہیں جو بھرتی کے شعر نہیں بلکہ ان کی افتادِ طبع کے نمونے ہیں۔ چھوٹی بحر میں سادہ' سیدھی غزل کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

ے

ہم کو آرام ہو دلا کس طرح
اور وہ کام ہو دلا کس طرح
ہو سراسر کلام سرو و سرور
ہو سر عام ہو دلا کس طرح
حاسد آل احمدؐ مرسل
اہل اسلام ہو دلا کس طرح
ہو اگر کام آگ کا معدوم
گرم حمام ہو دلا کس طرح
آہو انشا مدام ام والا
آہ واہ رام کو دلا کس طرح

اگر چہ انشا اپنی ساری زندگی شجاع الدولہ' آصف الدولہ' شاہ عالم ثانی' الماس علی خان' نجف علی خان' سلیمان شکوہ اور سعادت علی خان کے دربار سے وابستہ رہے لیکن ان کا دیوان ان کی زندگی میں شائع نہ ہوا بلکہ ان کا جینا بھی دوبھر کر دیا گیا تھا۔ بہرحال انشاء کا کلیات ان کے انتقال کے اڑتیس (۳۸) سال بعد شمس العلماء محمد حسین آزاد کے زیر اہتمام ان کے والد کے مطبع دہلی میں ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔ پھر نولکشور لکھنو سے ۱۸۵۹ء اور ۱۸۹۴ء میں شائع کیا گیا۔ انشاء کا اردو کلام ۱۹۵۲ء میں مرزا محمد عسکری نے مرتب کیا اور محمد رفیع فاضل کی نظر ثانی کے بعد اردو اکیڈمی الہ آباد سے شائع ہوا۔ انشاء کے دیوان کے قلمی نسخہ جات جو دنیا کی مختلف لائبریریوں اور خصوصاً حیدرآباد دکن میں موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں کہ لوگ کاتبوں سے لکھوا کر انشاء کے کلام کو محفوظ اور اس سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ اگر چہ انشا کی شاعری کا دور اردو کی چوما چاٹی شاعری کا دور تھا۔ بعض ناقدین نے ان کی شاعری پر میر سوز اور جرات کی چھاپ بتائی ہے جو صحیح نہیں۔ انشا کی شاعری عشقیہ شاعری ضروری ہے لیکن اس میں چوماچاٹی کا رنگ گہرا نہیں۔ شوخ طبع' لاابالی طبیعت' بانکپن' درباری صحبت نے تقاضئے وقت اور امرائے وقت کے تحت کچھ ایسے مضامین بھی نظم کروائے کہ ان کے گلدستہ کلام میں ہر رنگ و بو کے پھول پتے اور کانٹے بھی نظر آتے ہیں لیکن کلام کی خوشبو ہر قاری کو اپنی طرف کھینچے بغیر نہیں رہتی اور قاری اس سے مدہوش ہو

جاتا ہے۔ اس نہج کی ایک غیر منقوطہ غزل کے چند اشعار ہمارے مدعا کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ملا رگا کہ سر کہسار لال ہوا
عروس لال چمن طاؤس وار حال ہوا
ہوا کو عطر لگا اور گل کھلا ہر گاہ
وہ ماہ مالک دہ و دو سال ہوا
رہا معاملہ ہمراہ عکس اس حد کو
کہ لال لال وہ کل گورا گورا گال ہوا
رہا معاملہ اس طور ہم دگر کہ مدام
ادھر کو وعدہ ہوا اور ادھر سوال ہوا
ملا وہ ماہ کر الحمد للہ او انشا
کہ دور لاکھ طرح عالم ملال ہوا

انشا کے اردو دیوان، ریختہ دیوان اور فارسی دیوان کی طرح دیوان بے نقطہ میں بھی شاید بہت کم ایسی غزلیں ہوں جس میں حمدیہ، نعتیہ یا منقبتی اشعار موجود نہ ہوں۔ ڈاکٹر شیام لال کالڑا متخلص بنام عابد پشاوری اپنی کتاب انشا اللہ خان انشا میں لکھتے ہیں ''انشا کے اجداد اثنا عشری عقیدے کے پابند تھے اور ان کا تعلق عالی نسب سادات سے تھا۔ انشا اپنی تمام تر آزادگی اور وارستہ مزاجی کے باوجود صوم وصلوۃ کے پابند نظر آتے ہیں۔ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشاء باقاعدگی سے نماز پڑھتے اور اکثر تلاوت قرآن بھی کرتے تھے''۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون ''لطائف السعادت'' مطبوعہ ۱۹۵۵ء میں لکھتی ہیں ''کوئی شخص شرافت نسبی پر ناز کرے اور اس کے ہم عصر اس کی ناز برداری کریں اس قران السعدین کی مثال تاریخ میں نادر ملتی ہیں۔ انشا کو اپنی شرافت نسبی پر ناز ہے۔ وہ جعفری ہیں، حسینی ہیں، نجفی ہیں۔ نواب سعادت علی خان کو اس کا اعتراف ہے چنانچہ کہتے ہیں ''تم پیغمبر زادے ہو'' کبھی کہتے ہیں ''سادات سے بے تکلفی اچھی نہیں''۔ ان تمام چیزوں کے باوجود انشا بہت آزاد فکر شخصیت کے حامل تھے اور دوسرے مذاہب کی قدر دانی بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں

؎ بندگی اپنی ہے سب سے مہرباں اپنے ہیں سب
شیعہ و سنی و صوفی رند و درد آشام بھی

موزر ذکر دیوان بے نقط میں اگرچہ کئی اشعار عقیدتی نظر آتے ہیں لیکن ہم صرف چند اشعار کو پیش کر کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں۔

؎ اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آل رسولؐ اللہ کا
اسد الہ امام ہمام مدد کرو حاکم دار سلام مدد
دم رحم حوالہ ہر اہل سوال کو کاس مدام طہور ہوا
صد آہ آہ کہ ورد درود صل علیٰ
محمدؐ و علیؑ آلہ محال ہوا
حاسد آل احمدؐ مرسل
اہل اسلام ہو دلا کس طرح
آل رسولؐ اللہ سوا ہو اسرار کس کا انشا کو
اور ہو کس کا اس کو سہارا آہ گروہ اہل صلاح
صل علیٰ محمدؐ و آل رسولؐ کا رہا
ہم کو مدام آسرا صل علیٰ محمدؐ
عطا کرو اسدالہ امام انشا کو
علو حوصلہ و کاسہ مدام طہور
انشا دمادم ادر دور عالم
سر کرد آہم اللہ اللہ

رباعی فنی اعتبار سے کٹر صنف سخن ہے۔ اس کو چوبیس (۲۴) اوزان اور چار مصرعوں میں مضمون کی ترسیل دشوار بنا دیتی ہے اور اسی لیے اس کے میدان میں شہ سوار بھی گرتے نظر آتے ہیں۔ صنعت غیر منقوطہ میں رباعی کہنا بہت مشکل ہے۔ چونکہ انشا کے پاس ہر مشکل بھی آسان ہے اس لیے دیوان میں غیر منقوطہ تین رباعیاں نظر آتی ہیں۔

ے ہو عطر سہاگ کا لگا کر مسرور
آرام محل رکھ اسم دل کا اور حور
وہ طور دکھا کہ ہم کو کل ہو معلوم
موسیٰ کا عالم اور وہ لمعہ طور

ے رکھ آس سدا کھا کر انشا اللہ
اللھم ارحم ارحم ارحم ارحم
کم ہوگا دلدر اور دکھ کا عالم
کر ورد درود کا سلم ہر دم

دیوان بے نقط کے آخر میں چودہ اشعار پر مشتمل ایک مخمس ہے جو ادق اور غیر مانوس الفاظ سے بنا ہے۔ اس مخمس میں زندہ دلی' خوش زندگی اور جدوجہد کی تاکید ہے۔
کچھ مصرعے بطور مثال یہ ہیں

ے دکھ کو سکھا کر آگ دو راکھ کو سرمہ سا کرو
ے صلح مصالحت کرو حمد درود ادا کرو

جیسا کہ ہم جانتے ہیں انشا کی صنعت گری مشہور ہے چنانچہ اس بے نقط دیوان جو خود سراسر صنعت ہے کئی دوسری صنعتوں سے بھرا پڑا ہے۔ مضمون کی طوالت کا خیال کرتے ہوئے ہم صرف چند اہم صنعتوں کا ذکر مثال کے ذریعہ واضح کریں گے۔
صنعت تلمیح اور صنعت سیاق الاعداد۔

ے لو دکھاؤ لمعہ اسرار کوہ طور حمد
گرد کرد و معرکہ سو لاکھ مہر و ماہ کا

صنعت مراعات النظیر وہ کلاہ و ردا و عمامہ
وہ عصا و صلاح وہ رومال

ے آہ و محمل سلما و درا وہ صحرا
کہ صدا حوصلہ اس مرحلہ کا گرد رہا

وارد معرکہ ہوا مہرہ ماہ و مہر کو
اور عطارد سا صل علیٰ محمدؐ

صنعت سوالیہ حاسد آل احمد مرسلؐ
اہل اسلام ہو دلا کس طرح

صنعت تعلیق ہو اگر کام آگ کا معدوم
گرم حمام ہو دلا کس طرح

صنعت ذوللسانین رکھ آس سدا کھا کر انشا اللہ
اللھم ارحم ارحم ارحم ارحم

صنعت تکریر دور ہو دور سرک دور سرک دور سرک

کہ لال لال وہ کل گورا گورا گال ہوا
صنعت مجمع متوازی دل کم حوصلہ کو گو کہ سدا درد رہا
ہم دم اس کا گلہ آلودہ دم سرد رہا

صنعت تجرید سرکار موسیٰ کا عصا او ملحد او گاؤ وطلا

صنعت رد العجز علی الابتداء صل علیٰ محمدؐ آل رسولؐ کا رہا
ہم کو مدام آسرا صل علیٰ محمدؐ

صنعت طباق ایجابی اللہ اللہ کس طرح ہو درک اوہام و حواس
کوہ کا عالم ادھر کو طور ادھر ہو کاہ کا

صنعت شبہ اشتقاق کہاں و محکمہ علم و حکم صدر و صدور

صنعت تجنیس تام عکس کلاہ ہالک اور ملک کلاہ ملک
آہ کلاہ آہ آہ دور کر اس کلاہ کو

صنعت ضلع جگت موسم گل ہوا اور ہو گل دم

صنعت جمع واہ وہ سدرہ وہ ہوا وہ ملک
وہ مدام طہور کا عالم

صنعت تنسیق الصفات سر گروہ ہو سر گرو ہو سرہ
سرو صلصل کا ہوا گہرا سہاگ

صنعت قطار البصیر آمد آمد گل ہو اور وہ سادہ رو امرد
دور کاسہ مل ہو اور وہ سادہ رو امرد

صنعت حسن الطلب عطا کرو اسد الہ امام انشا کو
علو حوصلہ کاسہ مدام طہور

صنعت ذوالعافتین ملا گا کہ سر کوہسار لال ہوا
عروس لال چمن طاؤس وار حال ہوا

اس دیوان بے نقط کے علاوہ کلیات انشا میں ایک پوری مثنوی فارسی میں ایک سو اشعار پر مشتمل ہے جس کی تاریخ تکمیلہ نیمہ شعبان ۱۲۱۴ھ ہے۔ اس کے علاوہ ایک فارسی میں بے نقط رباعی اور غزل بھی شامل ہے۔

شاہکار مختلف اللسان قصیدہ

یہ تو سب جانتے ہیں کہ انشا اللہ خان انشا ایک قادر الکلام پر گو شاعر تھے، لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کا بیشتر کلام ضائع ہوگیا۔ آخری عمر میں اولاد کا داغ، دربار سے برطرفی، جنون اور عدم توازن دماغی، مفلسی اور دوسری پریشانیوں نے انہیں اپنی زندگی میں کلام مرتب کرنے کی مہلت نہ دی۔ دوسری طرف نہ انہیں ذوق کی طرح محمد حسین آزاد جیسا شاگرد ملا، نہ انہیں جوش ملیسانی کی طرح عرش ملیسانی جیسا بیٹا ملا اور نہ عرفی کی طرح خان خاناں جیسا دربار، جو ان کے کلام اور اشاعت کلام کی طرف توجہ دیتا۔ اس سے زیادہ انشا کی شومئی قسمت کیا ہو کہ ان کی دو نواسیاں ننھی بیگم اور حیدری بیگم واجد علی شاہ کے ساتھ عقد اور عشق میں ہزار ہا روپے کی مالکہ بنیں لیکن اپنے سگے نانا کے کلام کی حفاظت اور اشاعت پر توجہ نہ کی۔ انشا اللہ خان کے تحقیقی مقالہ کے مصنف مرحوم شیام لال عابد پشاوری کے مطابق آج سے کوئی چالیس سال قبل انشا کے خاندانی رشتہ دار برق موسوی نے انشا کا غیر مطبوعہ کلام جو ان کے پاس ان کے جد شہید سے حاصل ہوا تھا، محی الدین زور کے حوالے کیا جو بڑی مدت تک ایوان اردو و حیدرآباد کے کسی گوشے میں Unclassified Material کے زمرے میں پڑا رہا۔ شاید اب تک وہ دیمک کی نذر یا مفقود اثر ہوگیا ہو، ہمیں خبر نہیں۔ انشا کا کلیات جو ان کے مرنے کے بتیس (۳۲) سال بعد شائع کیا گیا اس میں صرف (۸۵۰۰) کے لگ بھگ اشعار ہیں۔ یہ کلیات جو بعد میں نولکشور مطبع سے شائع ہوا (۴۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حکمرانوں کی شان میں

صرف تیرہ (۱۳) قصیدے جن میں سات قصیدے اردو اور چھ قصیدے فارسی میں ہیں جب کہ انشا نے ساری عمر درباروں میں گزار دی۔ اتنی کم مقدار میں حکمرانوں کے نام قصیدے خود اس بات کے گواہ ہیں کہ انشا کا بیشتر کلام تلف ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انشا ایک جینیس Genius تھے ان کی مختلف للسانی مشہور تھی۔ اردو ادب کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس کو اتنی زبانوں اور بولیوں پر عبور ہو۔ آب حیات میں محمد حسین آزاد لکھتے ہیں "ہندوستان کی مختلف زبانیں ان کے گھر کی لونڈی ہیں۔ ابھی پنجاب میں کھڑے ہیں ابھی پورب میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی برج بھاشی ہیں۔ ابھی مرہٹے ابھی کشمیری ابھی افغانی۔ سب زبانوں میں کچھ نہ کچھ کہا ہے"۔ انشا کے جس قصیدے کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے وہ اردو ادب کا ایسا واحد قصیدہ ہے جس میں تقریباً بیس (۲۰) مختلف زبانوں اور بولیوں کے اشعار موجود ہیں۔ یہ قصیدہ نواب یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خان کے جلوس مسند نشینی پر انشا نے کہا تھا جو اردو میں ہے۔ کلیات انشا مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۴ء میں (۹۲) اشعار ہیں جب کہ قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد زیادہ ہے۔ اس قصیدے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مختلف السنہ ہے۔ تاریخ فرخ آباد میں میر ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انشا کا ایک قصیدہ جو نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی پر لکھا گیا چونتیس (۳۴) زبانوں میں ہے۔ افسوس کہ یہ قصیدہ اب ہمارے درمیان نہیں۔ مورد بحث قصیدہ غیر معروف ہے اور اس میں تین مطلع ہیں۔ انشا کی قادر الکلامی کی وجہ اس بیانوے (۹۲) اشعار کے قصیدے میں ستر (۷۰) کے قریب خوبصورت قافیے استعمال ہوئے ہیں۔ قصیدہ کا مطلع ہے

نظر آئی مجھے کل با ظفر وطوہا علم
صورت فتح مجسم ہو بشکل آدم

قصیدہ کی تشبیب میں انشا نے بتایا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو دیکھا جو

سر پہ ایک خود دھرے جس پہ بڑی سی کلغی
ڈھال کاندھے پہ پڑی ہاتھ میں شمشیر دو دم
ذرہ حضرت داؤد گلے میں اس کے
جبروت اس کا فریدون فرو جمشید شیم

لمعہ نور جبین اس کے سے طالع جون مہر
سب رکاب اس کی میں موجود صنادید عجم
باادب میں نے یہ معروض کیا اسم شریف
باری فرمائے اے مخزن الطاف وہم
تو یہ ارشاد ہوا تجھ کو نہیں کیا معلوم
نیر طالع فیروز ہیں اس شخص کے ہم

پھر فوراً گریز ہوتا ہے۔

ے وہ سعادت علی عالی اعلیٰ جو ہے
معدن جود و سخا لجہ احسان و کرم
الغرض تہنیت جشن جلوس اس کا سن
سید انشا نے کیا تازہ قصیدہ وہ رقم
کہ بس اس طرز فصاحت کو سمجھ کر اس کی
روح خاقانی و عرفی نے لیے چوم قدم

اس کے بعد مطلع ثانی

ے کیوں نہ بخشے تجھے پھر شاہ ولایت پرچم
تو من اللہ موید ہے خدا کی قسم

اور پھر نواب سعادت علی خان کے مدحیہ اشعار شروع ہوتے ہیں

ے انس و جن آبرو ہوا کیوں نہ ہوں فرمانبردار
ہے تیرے نام کو خاصیت اسم اعظم
اے وزیر ابن وزیر ابن وزیر ابن وزیر
کانپتے تیری شجاعت سے ہیں ضرغام اجم
جو غلامان غلامان غلامان ہیں تیرے
سب مہیا انہیں انواع کے ہیں ناز و نعم

ان اشعار کے بعد مختلف لسانی اشعار شروع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ قصیدہ شاہکارانہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس قصیدے میں کم از کم بیس (۲۰) زبانوں اور بولیوں کے

اشعار رقم کیے گئے ہیں جن میں اردو، فارسی، عربی، ترکی، ہندی، خراسانی، جھنگی پنجابی، پشتو، انگریزی، کشمیری، برجی، مراٹھی، راجستھانی، بنگالی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چونکہ یہ قصیدہ تقریباً دو سو سال قبل لکھا گیا ہے اور زبانیں ارتقائی سطح پر کئی الفاظ کو متروک کر دیتی ہیں اس لیے بعض اشعار قدیم زبان میں ہیں جو اس وقت رائج تھی۔ ہم یہاں چیدہ چیدہ اشعار ترجمے کے ساتھ پیش کریں گے تاکہ قارئین خود پورے قصیدے کو پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

سب سے پہلے شاہ ایران فارسی میں ڈیڑھ شعر لکھتا ہے

شاہ ایران یہی لکھتا ہے تجھے عرضی میں
بو کہ من ہم ز عنایات تو خطی ببرم
بخداوند کہ آنکس کہ مرا شاہی داد
بندہ حلقہ بگوش تو و چاکر ہستم

یعنی تیری عنایات نے مجھے راستہ دکھایا ہے۔ قسم اس خدا کی جس نے مجھے شاہی عطا کی۔ میں تیرا حلقہ بگوش غلام ہوں۔

پھر ترکستان کا بادشاہ اپنی ترکی میں ڈیڑھ شعر کہہ کر اس آستانہ کا خود کو فقیر و گدا بتاتا ہے۔

عرض کرتا ہے یہی والی ترکستان بھی
شاہ سن ایلہ گدا ادستنہ ایشاہ کرم
منہ موقوف و کل دیر سے تنکرئی خلق
اولمکی خلق جہان ایحرہ ستدک آدم

عربستان سے مشہور عربی شعراء کہتے ہیں کہ تجھ جیسا شجاع اور امیر بادشاہ دنیا میں نہیں۔ تجھ میں خدائی خصلتیں ہیں اور تو تمام عالم کی فریاد سننے والا ہے۔

مدح میں تیری زبان عربی میں اشعار
شعرا پڑھتے ہیں مسرور ہو آپس میں بہم
مثلہ لیس شجاع و امیر فی الدہر
حصہ اللہ مغیثاً بجمیع العالم

اور اسی طرح خراسان کے باشندے خراسانی میں نیشاپور اور مشہد کے باشندے

اپنی اپنی بولیوں اور لہجوں میں تری تعریف کرتے ہیں کہ وہ ترے عاشق ہیں۔ پھر رام راجہ بھی اشرواد دے کر ناقوس بجاتا ہے۔ ٹھاکروں، راجپوتوں، برج کی گوپیاں اور پنجاب میں جھنگ سیالے کی جٹیاں اپنی اپنی زبان میں شعر کہتی ہیں اور پھر پشتو زبان میں زمان شاہ کابل سے کہتا ہے

؎ اور زمان شاہ بھی لکھتا ہے یہی کابل سے
ژڑ ژما ژان ژما دواڑہ بہ تاصدخے کڑم

یعنی میرا دل اور جان دونوں تجھ پر قربان ہوں۔
پھر انگریز بادشاہ انگریزی میں کہتا ہے

؎ او مائی لارڈ یو نو آئی یم یور سلیو
کنگ انگریز یہ بولے ہے تیرا دیکھ حشم

پھر مرہٹوں کا سردار مرہٹی میں کہتا ہے

؎ دا داری اکڑی الہ تمچہ شیلدار بوی
پیشوا تیرے غلاموں کو یہ کرتا ہے رقم

یعنی اے بھائی یہاں آؤ ہم تمہارے نوکر ہیں۔ پھر دولت جو لکشمی ہے ہندی میں کہتی ہے کہ تیرے قدموں پر نثار ہوں۔ کشمیر کا حاکم کہتا ہے

؎ اور کشمیر کا حاکم بھی یہی بولے ہے
یہ بندہ بھی فدوی تجھ کو ہے بیدام زرم
زری بل محلّہ موں سکونت ورزیدہ
یاتہن مجھ کو دیا چاہے کا اوساگ گرم

یعنی یہ بندہ تیرا غلام بے دام ہے۔ اگر تو زری محلّہ میں اقامت کرے تو تجھ کو کڑم کا ساگ کھلائیں گے۔ انشا تقریباً بیس (۲۰) زبانوں اور بولیوں کے اشعار لکھنے کے بعد ممدوح کی تلوار کی تعریف میں نو (۹) اشعار لکھ کر اپنی معجز بیانی اور شعلہ فشانی دکھاتے ہیں۔

؎ تیری شمشیر کی برّش کی ہو کس سے تعریف
گھاٹ پر جس کے رہا خون ہے اعدا کا جم

ہے وہ ثعبان مبین شعلہ فشاں خون آشام
شکل برق و شفق و صاعقہ و موج ویم
اس کو کچھ چڑھنے سے اور مڑنے سے خطرہ ہی نہیں
کمرہ کوہ پہ لاگے تو کرے صاف قلم

پھر سپر اور گھوڑے کی تعریف اس طرح کی ہے

ہے سپر کی تری پر زور قوی وہ اوجڑ
کہ ہو جھٹ جس سے عدو رہ سپر ملک عدم
باد پا کا ترے کیا وصف کروں جس سے ہے
ابلق مردم چشم پرے پو یہ مین کم
ایک دن اس کے جلو میں جو کہیں دوڑے تھے
آج تک ناک میں ہے باد بہاری کا دم

پھر ممدوح کی شجاعت' تیر اندازی اور بندوق کے نشانے کی تعریف نظر آتی ہے۔

سامنے تیرے جو رستم بھی کبھی ٹھونکے خم
تو وہ ہاتھ اس کا اسی طور سے رہ جائے جم
یاں تلک تو ہے ترا عالم تیر اندازی
کہ تجھے کہتے ہیں استاد عرب اور عجم
تیری بندوق لگانے کا بیاں ہو کس سے
جانور اڑتے گراتا ہے تو لاکھوں پیہم

پھر ممدوح کے ہاتھی کی نو (۹) اشعار میں تعریف ہے۔ چند اشعار یہ ہیں

کہکشاں اس کی ہے مستک کی بلندی سے خجل
آنکھیں یوں اس کی ہیں جون ناف غزالان حرم
فی المثل صور سرافیل ہے اس کی خرطوم
وہ اسے پٹکے زمیں پر تو زماں ہو برہم

آخر میں یہ قصیدہ انشا کے دعائیہ اشعار پر تمام ہوتا ہے۔

ے اب دعا مانگے ہے تیرے لیے انشا اللہ
یارب آمین کہیں سن اس کو ملائک باہم
ناظم الملک بہادر بھی ہو اور دنیا ہو
ہرتے پھرتے رہیں جب تک کہ یہ چاروں موسم
صحت و طول بقا و طرب و دولت و جشن
ذات سے تیری رہیں تا بہ قیامت توام
تیرے ہی حجرے میں گایا کریں سب اہل نشاط
قول و آہنگ و دہوا ماتہا ترانہ سرگم
راجہ اندر کے اکھاڑے میں ہو جوں پریوں کا ناچ
در دولت پہ ہمیشہ رہے یوں ہی چھم چھم

معرکتہ الآراء غزلیں

نو شعروں میں پچھہتر (۷۵) مقامات کے نام
ایک غزل میں تمام حروف تہجی

درباری شعراء کے کلام پر حکمرانوں کی خوشامد کی چھاپ گہری نظر آتی ہے۔ اگر امیر خسرو نے سات شاہوں کے قصیدے لکھے تو انشا کو بھی کم از کم پانچ بادشاہوں، شہزادوں اور نوابوں کی تعریف میں قصائد اور مدحیہ مضامین لکھنے کی ضرورت پڑی کیونکہ بقول محمد حسین آزاد "آخر پیٹ کو کہاں کاٹ کر پھینک دیتے"۔ اگرچہ آٹھ قصیدے اردو اور چھ قصیدے فارسی میں الماس علی خاں، سلیمان شکوہ، سعادت علی خاں، شاہ عالم ثانی اور بادشاہ ولایت میں موجود ہیں لیکن اس کے علاوہ بعض اردو اور فارسی کی غزلوں میں بھی یہ مضامین نظر آتے ہیں۔ اس طرح کی ایک فارسی غزل جس میں دربار کا چہیتا موضوع کشور کشائی جو تقریباً تمام درباری شعرا کا گھسا پٹا مضمون رہا ہے انشا کو بھی ارقم کرنا پڑا لیکن انشا نے از زمین تا فلک یا شرق تا غرب لکھنے کے بجائے صنعت مبالغہ تبلیغ سے کام لیا جو ممکن ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی علمی معلومات، تاریخ و جغرافیہ کی واقفیت کو فنی اقدار کے ساتھ ظاہر کر کے شاہکار تعمیر کیا۔ اس فارسی غزل میں نو اشعار میں انشا نے پچھہتر (۷۵) سے زیادہ

مقامات کے نام گنوائے جو عدیم المثال ہے۔ اس غزل مسلسل کا مطلع یہ ہے

ے از خدایم این دعا پیوستہ باشد ہر زمان
کائے کریم مطلق و وی تکیہ گاہ بیکساں

یعنی میں اپنے خدا سے ہر وقت یہ دعا کرتا ہوں کہ اے کریم مطلق تو بیکسوں کا سہارا ہے۔

ے تاج بخشا ملک ہفت اقلیم او را کن عطا
تا بگیرد طوس و بغداد و ہرات و دامغان

تو نے انہیں تاج تو دیا ہے اب تمام دنیا کو بھی عطا کر دے تا کہ طوس، بغداد، ہرات اور دامغان ان کے زیر فرمان آ جائیں۔ پھر آٹھ اشعار میں اس طرح بہتر (۷۲) مقامات کے نام لکھتے ہیں

ے در تصرف آیدش شیراز و داغستان ورے
روم و شام و مصر و خوارزم عراق و بدیگان
مرور استنبول و قسطنطنیہ و روس و سبا
دشت فنجان و فرنگ و اردبیل و قیروان
شلوشین قرغانہ ناطن روم و تبریز یمن
ہزدت و اسکندریہ کنجسرو جربا بادغان
خیبر و بدر واحد ذوالکفل و بصرہ ماریہ
یثرب و بطحا و جدہ محترو شہر زنان
قنبرہ کر دال و عین الشمس و سبقہ کاشمیر
موصل و سنجرد وراند روس و گردان
اقشطہ مفراد و صنعاء صورت و مرباط و قم
نجد و کوفہ سامرہ طمنعاج و عور و قیروان
دہلی و بنگالہ و قنوج و کورہ سومنات
مرشد آباد و بہار و مالدہ ہندوستان

انشاء اللہ خان کو صنعتوں کا بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ علم بدیع کے ضائع لفظی اور

معنوی کی تعداد حد اکثر اسی (۸۰) اور نوے (۹۰) کے درمیان ہے۔ لیکن انشا کے کلیات کے تجزیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ ایسی صنعتیں اختراع کیں جن کے نام نہیں یعنی ان کی بدولت کچھ ایسی صنعتوں کا رواج ہوا جن کے نام نہیں۔ حافظ شیرازی نے شاعری کے فن میں بے مذاق صنعت گیری کو بے قدر کرتے ہوئے کہا تھا

آن را کہ خواندی استاد گر بنگری بہ تحقیق
صنعت گریست اما طبع رواں ندارد

یعنی جس کو تو نے استاد کہا ہے تحقیق سے دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ ضرور صفت گر ہے لیکن اس کے شعروں میں روانی نہیں۔ ضائع لفظی کی ایک نادر صفت جامع الحروف ہے جس میں ایک ہی شعر میں تمام حروف تہجی جمع کیے جاتے ہیں۔ جیسے فارسی کا یہ شعر جس میں عربی کے تمام حروف تہجی جمع ہیں۔

این جفاہا الغیاث ای کافر ترسا لقب
لذت صد حظ مریض عشق تو بردار خطب

لیکن آج تک اس صنعت کو نام نہیں دیا گیا جہاں تمام حروف تہجی پر غزل کے اشعار ہوں۔ یہاں ہم انشاء کی ایک ایسی گیارہ اشعار پر مشتمل غزل پیش کریں گے جس میں عربی حروف تہجی بڑے ہی دلکش انداز میں جمع کیے گئے ہیں۔ اور اس صنعت گیری سے اشعار میں روانی اور مضمون کی خوبصورتی مجروح نہیں ہوئی بلکہ اشعار مزے دار اور شگفتہ ہوگئے۔ اس غزل کے اشعار میں صنعتیں، محاورے، استعاری، تشبیہات، روزمرہ اور دیگر چیزیں شامل ہیں۔ تمام غزل میں صرف ایک اضافت یا ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ پوری غزل یہاں پیش کی جا رہی ہے۔

غزل

تب سے عاشق ہیں ہم اے طفل پری وش تیرے
جب سے مکتب میں تو کہتا تھا الف بے تے ثے
یاد آتا ہے وہ حرفوں کا اٹھانا اب تک
جیم کے پیٹ میں ایک نکتہ ہے اور خالی حے

حے کی پر شکل حواصل کے سی آتی ہے نظر
نکتہ اس پر جو لگا خے ہوا یہ واہ بے خے
دال بھی چھوٹی بہن اس کی ہے جون آ تو جی
ایک پرکالا سا بیٹا بھی ہے گھر میں ان کے
رے بھی خالی ہے اور زے پہ ہے وہ نکتہ ایک
کہ مشابہ ہے جو تل سے مری رخساری کے
سین خالی ہے بڑی شین پہ ہیں نکتہ تین
صاد اور ضاد میں بس فرق ہے ایک نکتہ کے
طوے بن طرہ ہے اور ظوے پر ایک نکتہ پھر
عین بے عیب ہے اور کانے میاں غین ہوئے
فے پہ ایک نکتہ ہے اور قاف پہ نکتے ہیں دو
کاف بھی خالی ہے اور لام بھی خالی یہ لے
میم بھی یونہی ہے اور نون کے ہے اندر نکتہ
مفلسا بیگ ہے یہ واؤ بھی اور چھوٹی ہے
کیا خلیفہ جی یہ ہے ہے ہی نہیں سے نکلے
آگے چھٹی دو ایلو لام الف ہمزہ یے
گالیاں تیری ہی سنتا ہے اب انشا ورنہ
کس کی طاقت ہے الف سے جو کہے اس کو بے

ایک غزل میں اکسٹھ قسمیں

سچ تو یہ ہے کہ انشا اللہ خان کی شاعری اور ان کے فن پر تنقیدی اور تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ انشا کا شمار اردو کے ان آٹھ دس شاعروں میں ہوتا ہے جو دو ڈھائی صدی سے اردو شاعری کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں لیکن ان تمام شاعروں میں انشا کے فن پر سب سے کم کام ہوا ہے۔ تذکرے نگاروں، تنقید نگاروں اور محققوں نے انشا اور ان کے حریفوں کے ساتھ معرکہ گیری پر دفتر سیاہ کیے لیکن ان کے فن پر ایک دو گھسے پٹے جملے لکھ کر انشا پر ہی نہیں بلکہ تمام اردو شاعری پر ظلم کیا۔ تذکرہ ہندی گویان میں مصحفی تو حریف ہی تھے وہ کیا کہتے؟

تذکرہ مجموعہ نغز میں قدرت اللہ قاسم تو انشا کے چھپے دشمن تھے وہ کیا کہتے؟ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جن کا ''گلشن بے خار'' جو اس لیے دراصل ''گلشن بے کار'' ہے کہ اس میں چھ سو شاعروں میں صرف چھ شاعروں پر تبصرہ ہے جن میں خود نواب موصوف اور ان کے چار ہم عصر غالب، مومن، آزردہ اور صہبائی اور دو خاتون شاعر جن میں خود شیفتہ اور مومن کی محبوبائیں شامل ہیں۔ شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ایک ایسا فتویٰ صادر کیا جو ڈیڑھ صدی گزرنے پر بھی ادب کی شریعت میں منسوخ نہ ہوسکا۔ فرماتے ہیں ''انشا ہر صنف سخن را بہ طریق راسخہ نگفتہ'' بہ طریق راسخہ سے مراد قدما کا طریقہ کار بتاتے ہیں۔ یعنی شیفتہ، انشا جیسے نابغہ روزگار تخلیق کار کو خود اپنے جیسا اکتسابی شاعر سمجھ بیٹھے جو لکیر کا فقیر اور قدما کا مرید ہو کر رہ جاتا ہے۔ محمد حسین آزاد تو آب حیات میں فراغ کے شاگرد بیتاب کے جملے کے سحر سے جاگ نہ سکے کہ ''انشا اللہ خان کے فضل و کمال کو شاعری نے اور

شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا''۔ یہ جملہ غلط بیانی ہے۔ انشا کوئی عالمگیر بادشاہ یا مصور و معمار نہ تھے ان کا فضل و کمال شاعری ہی تھی اور اسی سے ان کی نثری تخلیق بھی وجود میں آئی اور آج دو سو سال گزرنے کے بعد بھی انشا صرف شعر و ادب کی تخلیق سے ہمارے درمیان زندہ ہیں۔ انشا نے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں صرف نو سال سعادت علی خان کی مصاحبت میں گزارے جس سے انشا نہیں ڈوبے بلکہ ان کے طفیل سے سعادت علی خان ابھرے اور ان کا نام بھی زندہ رہ گیا۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس حق کے انشا مستحق تھے وہ حق انہیں نہیں دیا گیا اور اس سے بڑھ کر کیا بدمزگی ہو کہ دنیا نے انشا کو مصحفی، قتیل، عظیم، فائق اور راغب کے مقابل کر دیا۔اردو کے عظیم شعراء جن میں ناسخ، آتش، ضمیر، انیس، غالب، ذوق، مومن، داغ، امیر، حسرت، اقبال اور جوش شامل ہیں انشا کے گلشن شاعری کے گلچین ہیں۔ اگر کلیات انشا کا بغور مطالعہ تنقیدی رجحان کے ساتھ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انشا میر، سودا یا میر سوز کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایک خاص رنگ کے حامل تھے جس کے وہ خود موجد تھے۔ ان کی باکمال شخصیت نے ان کو انفرادیت کا سہرا پہنایا۔ وہ صنعت گر ہوتے ہوئے بھی شعر کی سادگی، شگفتگی، سلاست اور لطافت کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کے فن میں بلا کی قدرت اور شدید توانائی تھی۔ وہ قادر الکلامی اور زبان دانی میں معجز بیانی رکھتے تھے جو ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ دیوان اردو ہو کہ دیوان فارسی، دیوان بے نقط ہو کہ دیوان ریختی قصیدے ہوں کہ مثنویات، رباعیات ہوں کہ مخمسات اور مستزاد سب میں کچھ نہ کچھ فنکارانہ تراش ہے جو صفحہ دل پر خراش چھوڑے بغیر نہیں رہتے۔ کلیات کیا ہے گلشن عجائب کی سیر، جہاں رنگ برنگ پھول ہی نہیں بلکہ نغمہ ستار سے تار عنکبوت کے پردے، جو دیکھنے والوں کو رازوں سے آشنا کرتے ہیں اور دلوں کو سرور بخشتے ہیں۔ کہیں غزل در غزل چار پانچ غزلیں ہیں تو کہیں تمام حروف تہجی صرف ایک غزل میں شوخ اور عشقیہ انداز میں نظم ہوئے ہیں۔ کہیں بیس (۲۰) زبانوں کے اشعار ایک قصیدے میں، کہیں چودہ معصومینؑ کے نام اسی سلسلہ سے جو ان کا سلسلہ ہے صرف ایک رباعی میں، کہیں مثنوی مرغ نامہ کے حمدیہ اشعار میں ان الفاظ کا استعمال جو مرغ بازی اور مرغ داری میں مستعمل ہوں۔ یہ سب ادبی کرشمے ان کی کرشمہ ساز طبیعت اور سخت محنت کا نتیجہ تھے۔ یہاں ایک ایسی مسلسل غزل پیش کی جا رہی ہے جس

کے بیس (۲۰) اشعار میں اکیس (۲۱) تازے قافیے استعمال ہوئے اور اس میں اکسٹھ (۶۱) سے زیادہ قسموں کو بڑے ہی دلکش انداز میں نظم کیا گیا۔ اس غزل میں اللہ کی قسم، محمدؐ کی، عیسیٰ، موسیٰ، یوسفؑ، سلیمانؑ، علیؑ، شاہ خراسانؑ کی قسمیں، توریت، زبور، انجیل اور قرآن کی قسمیں، جنت، رضوان حور اور غلمان کی قسمیں، کوثر، سلسبیل، تسنیم، عرش جبریلؑ اور کروبیوں کی قسموں کے علاوہ معشوق کی نرگسی آنکھ، چاہ ذقن، سروقد، شعلہ رنگ اور دیو، غول، بھوت کے علاوہ شیطان تک کی قسمیں بیان کی گئی ہیں اور مقطع میں ان تمام قسموں کا اثر کچھ نہ ہوا جب معشوق نے کہا

انشا نہ چھیڑ مجھ کو مری جان کی قسم

چونکہ یہ غزل انوکھی انداز کی غزل مسلسل ہے۔ ساری غزل پیش کی جا رہی ہے۔

غزل

مل مجھ سے اے پری تجھے قرآن کی قسم
دیتا ہوں تجھ کو تخت سلیمانؑ کی قسم

کروبیوں کی تجھ کو قسم اور عرش کے
جبریلؑ کی قسم تجھے رضوان کی قسم

طوبیٰ کی سلسبیل کی، کوثر کے جام کی
حور و قصور جنت و غلمان کی قسم

روح القدس کی تجھ کو قسم اور مسیحؑ کی
مریم کی تجھ کو عفت دامان کی قسم

توریت کی قسم، قسم انجیل کی تجھے
تجھ کو قسم زبور کے فرقان کی قسم

تجھ کو محمدؐ عربی کی قسم ہے اور
مولا علیؑ کی شاہ خراسانؑ کی قسم

ملت میں جس کے تو ہوئے اس کی قسم تجھے
اور اپنے دین و مذہب و ایمان کی قسم

دامن کو میرے ہاتھ سے اس رات مت جھٹک
تجھ کو سحر کے چاک گریبان کی قسم

مدت سے ترے چاہ ذقن میں غریق ہوں
باللہ مجھ کو یوسف کنعان کی قسم

قیدی ہوں میں ترا بخداوندی خدا
اور اس عزیز مصر کے زندان کی قسم

موسیٰ کی ہے قسم تجھے اور کوہ طور کی
نور و فروغ جلوۂ لمعان کی قسم

سوگند اب ہنسی کی بھی تجھ کو دلائے ہے
سن تجھ کو اپنے ناز کی اور آن کی قسم

نرگس کی آنکھ کی قسم اور گل کے کان کی
تجھ کو سرو عزیز گلستان کی قسم

تجھ کو قسم ہے غنچہ زنبق کی ناک کی
اور شور عندلیب غزل خوان کی قسم

سونے کی گائے کی قسم اور رود نیل کی
فرعون کی قسم تجھے ہامان کی قسم

بستر مرا ہے خار مغیلاں بسان قیس
لیلیٰ ہی کے تجھے صف مژگان کی قسم

ایسی بڑی قسم بھی نہ مانی تو ہے تجھے
تجھ کو اسی کے شوکت ذی شان کی قسم

دیو سفید کی قسم اور کوہ قاف کی
کالی بلا کے غول بیابان کی قسم

لونا چماری کی قسم اور کلو ایر کی
پیپل تلے کی بھتنی کے شیطان کی قسم

ہاں پھر تو کہیو ہائے وہ کس طرح ہے غضب
انشا نہ چھیڑ مجھ کو مری جان کی قسم

اردو میں ایسی معرکتہ الآرا غزلیں کہاں؟

خود انشا نے کہا تھا

فاظلم علامہ دہرم وحید عصر خود
دیگری چون من نباشد شاعر شیریں کلام

میں فاضل علامہ اور وحید عصر ہوں کوئی دوسرا میری طرح شیریں کلام شاعر نہیں۔ عظیم شاعروں کا کلام علم و دانش اور معرفت کا خزانہ ہوتا ہے۔ ہر عظیم شاعر بذات خود کتاب کائنات کا دقیق قاری اور دانش جویاں حقیقت کا معلم بھی ہوتا ہے۔ شاعر کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے۔ علم وفضل اور دانش کے ساتھ ساتھ فن اور اظہار بیان کا کمال حاصل ہو جائے تو وہ شاعر منفرد اور ممتاز ہو جاتا ہے۔ انشا اردو کے ان چند شاعروں میں شامل ہیں جو زبان دانی میں عظیم تھے چنانچہ ان کا کلیات اور ان کی نثری تخلیقات دریائے لطافت' کہانی رانی کیتکی اور سلک گوہر وغیرہ اس کا ثبوت ہیں اور یہ ادب کے شاہکار تصور کیے جاتے ہیں۔ انشا کا دور ادبی معرکہ آرائی کا دور تھا۔ انشا کی مختلف زبانوں پر قدرت ان کے بعض قصیدوں سے ظاہر ہے جو چونتیس (۳۴) اور بیس (۲۰) زبانوں اور بولیوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی صنعت گیری' دیوان بے نقط اور دیگر نادر ضائع معنوی اور لفظی سے ظاہر ہے۔ دریائے لطافت ان کی زبان دانی کی سند ہے۔ کہانی رانی کیتکی' داستان سلک گوہر ان کی صفتوں کی دلیل ہے۔ ان کا کلیات ان کے علم و دانش اور فنی مہارت کا نمونہ ہے۔ یہاں ہم انشاء کے علم و دانش اور فنی کمال کو کسی حد تک ظاہر کرنے کے لیے ان

کی چھ غزلوں کا جائزہ لیں گے جن کی ردیف پانچوں، آٹھوں، بیسوں اور تیسوں ہے۔ انشا نے ان غزلوں میں مصرعہ اول میں پانچ، آٹھ، بیس یا تیس چیزیں گنوائی ہیں۔ پھر مصرعہ ثانی سے ان کا رابطہ کیا ہے جس کے مطالعہ سے قاری کو علم اور معلومات کے خزانوں کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی نسبت کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہاں سب سے پہلے ہم اس غزل کے اشعار پیش کریں گے جس کی ردیف پانچوں ہے۔ اسی غزل کو سن کر قدرت اللہ قاسم مصنف مجموعہ نغز نے ساتوں ردیف' والی غزل تیار کی جس کی اطلاع ملتے ہی انشا نے آٹھوں کی ردیف میں غزل لکھ کر ان لوگوں کو حیران کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ بعد میں اپنے دیوان میں بیسوں اور تیسوں لکھ کر ہمیشہ کے لیے حریفوں کے منہ بند کر دیے۔ غزل ردیف پانچوں اور آٹھوں کے اشعار پڑھیے اور سر دھنیے۔

غزل

چشم و ادا و غمزہ شوخی و ناز پانچوں
دشمن ہیں میرے جی کے بندہ نواز پانچوں
کیا رنگ زرد و گریہ کہا ضعف و درد و افغاں
افشا کریں ہیں مل کر میرا یہ راز پانچوں
باد فراق سے ہے چوں شمع دل کو ہر شب
احراق و داغ و گریہ سوز گداز پانچوں
آرام و صبر و طاقت، ہوش و حیا کہاں پھر
لے دل کے ساتھ یہ بھی اے عشوہ ساز پانچوں
فرہاد و قیس و وامق محمود و مہ رو بھی
رکھ بار مجھ پہ سوویں ہو یا دراز پانچوں
ہیں تیرے در پہ آ کر ہر اک سر بسجدہ
لیلیٰ و مہر و عذرا شیریں ایاز پانچوں
مت پوچھ کار انشا ہجر وصال میں کچھ
صبر و جنون و وحشت عجز و نیاز پانچوں

غزل

ے سر، چشم، صبر، دل، دیں، تن، مال، جان آٹھوں
صدقہ کیے ہیں تم پر لو مہربان آٹھوں
سج، دھج، نگہ، اکڑ، چھب، حسن و ادا و شوخی
نام خدا ہیں تجھ میں اے نوجوان آٹھوں
مردنگ، و چنگ و نے، دف، بین و رباب و سرنی
ہم ساز و ہم نوا ہیں لیتے ہیں تان آٹھوں
رخ، خال، زلف و خط لب، دندان، دہن، زنخدان
اس کے ہیں اپنے دشمن انشا ہر آن آٹھوں

اسی آٹھوں ردیف کی ایک اور غزل کے چند اشعار یہ ہیں۔

ے پھبن، اکڑ چھب نگاہ، سج دھج جمال، طرز خرام آٹھوں
نہ ہوویں اس بت کے گر پجاری تو کیوں ہو سب کے کام آٹھوں
ذقن، زنخدان، لب و دہان و رخ و جبین و نمک تبسم
سکھائے ہیں اس پری کو کافر یہ مل کے سب قتل عام آٹھوں
ادا و ناز و حجاب و غمزہ کرشمہ شوخی حیا تغافل
تمہارے چتون کے آگے آگے یہ کرتے ہیں اہتمام آٹھوں
شکیب و صبر و قرار و طاقت نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاری الفت میں کھو کے بیٹھا میں تو اب لا کلام آٹھوں
نہ پوچھ مجھ سے تو سید انشا کہ نام عاشق کے کیا ہیں وحشی
ذلیل و رسوا خراب و خستہ غریب بندہ غلام آٹھوں

اب چوتھی غزل ''بیسوں ایک'' کی ردیف میں دیکھئے۔

ے گر ہوں افلاک و عقول اور نظر بیسوں ایک
مدرکات اور مقولات عشر بیسوں ایک

اس شعر میں نو افلاک یعنی فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک شمس، فلک مریخ، فلک مشرق، فلک زحل، فلک ثوابت اور فلک الافلاک شامل ہیں۔

عقول وہ دس فرشتے ہیں جنہیں خدا نے ایک کے بعد دیگر پیدا کیا۔ مدرکات بھی دس ہیں یعنی یہ وہ قوتیں ہیں جن کی مدد سے انسان اشیاء کی حقیقت دریافت کر سکے جیسے ذہن، عقل، ذکا، فہم، ادراک، قوت دماغ، زیرکی وغیرہ۔ مقولات بھی دس ہیں جن میں کم، کیف، وضع، این، اضافہ، مستی، ملک، فعل، جوہر وغیرہ۔

؎ اسطقات و موالید و جواہر خمسہ
ہفت اقلیم جہاں معدن ذر بیسوں ایک

اسطقات کو اربعہ عناصر کہتے ہیں جو ہوا، پانی، آگ اور مٹی ہیں۔ موالید تین ہیں۔ جمادات، نبادات اور حیوانات۔ہفت اقلیم سے مراد دنیا کی قدیم تقسیم ہے جس میں دنیا کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

؎ چودھوں علم و سب اعلال و ذکا و دانش
فی الشل ہوویں ہم یہ بھی اگر بیسوں ایک

علم کو چودہ خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اعلال بیماریوں کی چار جڑیں ہیں جن میں خون، بلغم، صفرہ وغیرہ شامل ہیں۔

؎ تو بھی حیدرؑ کی ثنا کر نہ سکیں کچھ گوہوں
بارہوں برج یہ اور آٹھ پہر بیسوں ایک

بارہ برج سے مراد وہ دائرے ہیں جسے سورج ایک سال میں طے کرتا ہے جو حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔

؎ حامل وحی و خضر چار کتب بارہوں راس
مدح میں اس کی ہیں یہ شمس و قمر بیسوں ایک

بارہ راس وہ فرضی بارہ فلکی دائرے ہیں جن پر سیارے گھوم رہے ہیں۔ چار کتب سے مراد چار صحیفہ آسمانی یعنی توریت، زبور، انجیل اور قرآن ہیں۔

؎ وہ شفیع آپ خود اور گیارہ امام آٹھ بہشت
جس پہ اشفاق کریں ہوں یہ ادھر بیسوں ایک

ے سات دن اور شب جمعہ مہینے بارہ
رکھتی ہیں اس کی اطاعت کا ہنر بیسوں ایک

ے پنجتن چودھوں معصومؑ حق انشا اللہ
رکھیں الطاف کی سب تجھ پہ نظر بیسوں ایک

پانچویں غزل جس کی ردیف ''تیسوں'' ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

ے تمہارے ہاتھوں کی انگلیوں کی یہ دیکھو پوریں غلام تیسوں
غرض کہ غش ہے اگر نہ مانو تو جھٹ اٹھا لو کلام تیسوں
امام بارہ، بروج بارہ، عناصر و جسم و روح، اے دل
یہی تو سرکار حق تعالیٰ کے ہیں مدار المہام تیسوں
نہیں عجائب کچھ آنکھ ہی میں رطوبتیں تین سات پردے
عقول دس، مدرکات دس، سو کرتے رہتے ہیں کام تیسوں

ایک اور غزل جس کی ردیف بھی ''تیسوں'' ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

ے دس عقل دس مقولے دس مدرکات تیسوں
تیرے ہی ذکر میں ہے اے پاک ذات تیسوں
نو آسمان خور و مہ ساتوں طبق زمیں کے
روح و حواس خمسہ اور شش جہات تیسوں
سی پارہائے دل کو رکھیو محافظت سے
اے میری جاں ہیں تیری حفظ حیات تیسوں
ماہ گزشتہ کا حال انشا کہوں سو کیوں کر
مر مر بسر کیے ہیں دن اور رات تیسوں

چند
منتخب
اشعار
(گلشن انشا کے چند پھولوں سے تہہ کردہ گلدستہ)

زبان زد عام اشعار

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ الگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دوچار بیٹھے ہیں

یہ عجب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے وہی لے ثواب الٹا

کفالت رزق کی کس سے کسی کی ہو سکے انشا
صفت مخصوص ہے یہ تو فقط اس ذات باری میں

زور بازو سے کماتے ہیں سو یہ کہتے ہیں
خشک روٹی میں مزہ ہے سو مزعفر میں نہیں

بندگی ہم نے تو جی سے اپنے ٹھانی آپ کی
بندہ پرور خیر آگے قدردانی آپ کی

بار گراں اٹھانا کس واسطے عزیزو
ہستی سے کچھ عدم تک تھوڑا ہی فاصلہ ہے

ہے مرحلہ خم غدیر آنکھوں میں چھایا
کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں مرے آگے

بہم نہ ملنے کے شکوے عبث ہیں آپس میں
ہر ایک شخص لگا اپنے کاروبار میں ہے

دل ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

کہانی ایک سنائی جو ہیر رانجھا کی
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

پند و نصیحت

نہیں ہم فن کو باہم دیکھ سکتے لوگ یہ سچ ہے
لگا القاص سے ہے لا یحب القاص کا جوڑا
معاذ اللہ دشمن جو کوئی سادات کا ہووے
یقیناً وہ تو ہے دنیا میں ابن سعد کا جوڑا
بے ادب خدمت سادات میں بولے جو شخص
خوک کا آہنی اس کا ہو سر ار دھڑ پتھر
جس شخص نے بھی اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
تھے جو کمبل پوش ان کے سامنے کیا تذکرہ
صاحب شال و سمور و قاقم و سنجاب کا
کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر
مطلق نہ آشنائی دنیا پر کر گھمنڈ
ظاہر پرست ہوتے ہیں سب آشنا غرض
بار گراں اٹھانا کس واسطے عزیزو
ہستی سے کچھ عدم تک تھوڑا ہی فاصلہ ہے

انشا خدا کے فضل پر رکھئے نگاہ اور
دن ہنس کے کاٹ ڈالیے ہمت نہ ہاریئے
مرد باش و آشنائے درد باش
سید انشاء ایں چنیں فرمودہ است
وارستگی نگر کہ مقید بہ ننگ نیست
اینجا سہان نکہت گل ہیچ انگ نیست
من بعد فنا ناک سے اک ناگ ہو نکلا
تھا کبر کا وہ جو سر ہو شنگ میں کیڑا
شگون کا اعتماد کیا ہے خموشی ہے یہ زباں درازی
ہمارے رونے پر مت ہنسا سنبھال منہ اے چراغ اپنا
دارا و جم نے کیا کیا تجھ سے شکست پائی
اے چرخ تو نے کس کس اہل دول کو توڑا
کوئی سفلہ بڑھ چلا حد سے تو یاروں نے کہا
ایک یہ بھی جوش تھا برسات کے تالاب کا
دلا نہ اہل زمانہ سے تو معانقہ کر
کہ ہے نہفتہ گریبان شیخ و شاب میں سانپ
کوئی بھونکے ناحق جو کتے کی طرح
تو دھتکار دیجئے اسے کہہ کے دت
جو چھوٹے چھوٹے پودے لگائے تھے خیر سے
نام خدا ہوئے وہ سر راہ کے درخت
جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے
گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر

نمونہ اشعار حکمت' فلسفہ و معرفت

۔ کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی مانگتا
مانگتا بھی اس سے تو ساری خدائی مانگتا
اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا

۔ انہیں کیا نعمت الوان سے جن کو عرش سے اترا
یہی اک جو کی روٹی اور ابالی ساگ کا جوڑا
شعاع مہر آ کر زعفران کے کھیت چڑ جاوے
نہ ہووے تو بھی وہ عاشق کے روے زرد کا جوڑا
بھلا جو مرد افیونی ہو' اُس کو بھوک کیا معنی
کفایت می کند یک دانہ خشخاش کا جوڑا

۔ اُس کے ہم صدقے مٹایا جس نے باہم کر کے خلط
آتش تیز و ہوا و آب و گل کا اضطراب
ہے کھلاڑی وہ بڑا جس نے کہ ٹھہرا رکھی
پھینک برروی ہوا گیند دوار کے گیند
چڑکارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں
کوئی مزہ نہیں ہے تیرے نام سے لذیذ

قطعہ ۔

۔ کہاں تک کروں میں زمانے کا شکوہ
مصیبت ہے یوں تو سب اہل ہنر پر
خصوصاً وہ جو وضع داروں میں ہیں یاں
برستا ہے افلاس ہی اُن کے در پر

۔ صحرائے لق و دق میں سلگتا ہوں آپ ہی آپ
وہ آگ ہوں گیا ہو جسے کارواں چھوڑ
عشق میں ہونے نہیں پاتے کسی عنوان سے
غیرت و عار و حیا و شرم و نام و ننگ سبز

۔ تھوڑی سی عمر میں کس شے کی ہوس، کیجے کے بس
کرنے دیتی ہی نہیں گردشِ افلاک ہوس
بال و پر تو تک ہلا و پنجہ و منقار سے
ہم صفیرو توڑ ڈالو دام کو چیر و قفس

۔ خلق خالق نے زمیں پر بھی کئے ہیں وہ لوگ
توڑتے ہیں جو درِ چرخ شعبدہ کا قفل

۔ تا لبِ بامِ قفس اوڑ نہ سکے ہم صیاد
اب تو پہنچا ہے یہ بی بال و پرے کا عالم

۔ تو گروہ فقرا کو نہ سمجھ بے جبروت
ذاتِ مولیٰ میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

۔ آتی ہے نظر اس کی تجلی ہمیں زاہد
ہر چیز میں ہر سنگ میں ہر خار میں خس میں

نمود آہ سوزان پرہن سے اپنے اب یوں ہے
نظر جس طرح آوے صورت فانوس شیشے میں

بھر رہے ہیں یوں پھپولے اس دل صد خاک میں
آ رہے ہیں خوشہ انگور جیسے تاک میں

کس کا یہ بیاہ تھا جو موتیوں کے سہرہ کی
اب تلک جھڑتی ہیں دامان سحر سے لڑیاں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھا جاتے ہیں

جب سدرہ کے سایہ سے گزرتی ہے مری آہ
بے ساختہ ہل جاتی ہے جبرئیل کی گردن

طائر ذہن کو مولا نے جو طاقت بخشی
تاب پرواز وہ جبرئیل کے شہپر میں نہیں
دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشا
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبد بے در میں نہیں

کیا ہوا جو بند دروازہ کیا اے باغبان
کھل رہی ہیں ہر رگ گل کی تو کلیاں باغ میں

ہے قوت ایجادی اذہان بھی انشا
بامعرکہ کن فیکوں دست و گریباں

لاکھ پردوں میں اگر بیٹھے نہیں پردہ نشین
جس کی آنکھوں میں پردہ شرم کا حائل نہ ہو

ہے یہی نقصانِ ذاتی موجب فخر کمال
گر نہ ہو ناقص تو قدر مرشد کامل نہ ہو

۔ مرکب چار عنصر سے نہ سمجھو عشق کو ہرگز
نہ اس میں ذرہ آب و ہوائی و آتش و گل ہے

۔ انشا کوئی جواب بھی دیتا نہیں ہمیں
بانگ جرس کی طرح کہاں تک پکاریئے

۔ ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکماء سب
چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے

۔ عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم میں یہ اشک سرخ
بے خودی ہے مغز اس کا اور چھلکا اضطراب

۔ آؤ مولا فقیر کی صورت
کل شئے قدیر کی صورت

۔ جنوں کے رہ نوردوں کا کوئی لگتا کہیں دل ہے
بسان گرد بار اُن کو سدا قطع منازل ہے

۔ کیا اُن کو سروکار بھلا جام و سبو سے
وہ مست کہ ہو نشہ جنہیں نعرہ ”ہُو“ سے

۔ بے محل جوہر ذاتی نہ رو ہیچ فروغ
قطرہ در بطن صدف شکل گہر می گیرد
کیوں بہ قید قسم لا الہ الا اللہ
کہ تاب ہجر بس اب مجھ میں اے الہ نہیں

نمونہ اشعار تعلّی

- وہ مور و ملخ فوج مضا میں ہے مرے پاس
جس کے نہ مقابل ہو کسی ڈھنگ میں کیڑا
اچھی غزل پڑھ اور ایک انشاؔ بدل کے بحر اب
سنتے ہی تیری گفتگو اہلِ سخن نے غش کیا

- جس نے یارو مجھ سے دعویٰ شعر کے فن کا کیا
میں نے لے کر اُس کے کاغذ اور قلم آگے دھرا
دو باتیں فارسی کی سیکھ اُس نے میر انشاؔ
بس لکھنو سے سارے کابل کا منہ چڑایا

- جس کو کچھ دہن ہو کرے ہم سے حقیقت کی بحث
کہ ہمیں جانتے ہیں اہلِ طریقت کی بحث
بوعلی ساتھ کوئی بولتے انشاؔ کو سنے
روز ہوتی ہے بہم اہل بلاغت کی بحث

- میرؔ و قتیلؔ و مصحفیؔ و جراتؔ و مکینؔ
ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار چار پانچ

- انشاؔ تیرے نہال سخن کے گلے لگے
نخل بلند عیسیٰ معجز سخن کی شاخ

- انشاؔ کا دل بنایا مہر علی سے حق نے
لازم ہے اس کو کہنا سید علی کی مسجد

رہتے ہیں سدا خواہش احباب سے انشا
اجزا میرے دیوان کے شیرازے سے باہر
اس غزل نے ایک پری پیکر انگوٹھی کو اتار
کی دہان سعدیؔ شیراز و خاقانیؔ پہ مہر

- تصدق کرتے ہیں ہم نعمتِ الوان کو اے انشا
اسی اک جو کی روٹی اور اوبالی ساگ پانی پر

- نہ دکھاوے وہ دن خدائے کریم
کہ رکھوں اُن سے ایک دم طمع

- کاٹے ہیں ہم نے یوں ہی ایام زندگی کے
سیدھے سے سیدھے سادھے اور کج سے کج رہے ہیں

- کیا پوچھتے ہو عمر کٹی کس طرح اپنی
جز درد نہ دیکھا کبھی اس تیس(۳۰) برس میں

- بندہ بو تراب ہے انشا
شک نہیں اس کی خاکساری میں

- بہ کمال و فضل و دانش یہ بعید ہے کہ انشا
غلطی یہ تو مصر ہو، مشاقِ خود پسدان
عوام الناس سے مت رکھ توقع آدمیت کی
کہ اکثر گرگ و روباہ و شغال و گربہ و سگ ہیں

- جی میں کیا آ گیا انشا کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اُس نے کیا عالمِ تنہائی کو

- ہو جو انشا کو اجازت تو بھرے وہ نالہ
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہ ہو

مل گدایان فلک رتبہ سے اے دل تو نہ کر
خدمت بادشہ روی زمیں پر تکیہ
سیر گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے انشا
کنج عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں
انشا اللہ خاں کو صاحب آپ نہ چھیڑیں مجلس میں
ان باتوں میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں
چھیڑنے کا مزا تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو
کیست آں مرد مسلماں بندہ پروردگار
آنکہ نامش ہست در قرآں بہ تصریح آشکار
اپنا بھی کچھ یہی حال غرض جائے سیر ہے
دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر ہے
ان کیست کہ غیبت ام بگوید انشا
اندر دہن پدر کلانش شاشم
انشا صد آفریں تیرے ذہن سلیم کو
مضموں زیادہ اس سے بھلا اور کیا بنے
فاضلم علامہ دہرم وحید عصر خود
دیگری چوں من نباشد شاعر شیریں کلام
بوباس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے
جامی کی نظامی کی سعدی سحابی کی
مخصوص جناب سید انشا بودہ است
ایں فصاحت ایں بلاغت ایں ہمہ جوش و خروش
تعظیم ما اگر نکنی خاک برسرت
خود سدیم وعالم و مرتاض عالیم
گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے انشا

صحبت میں کبھی اُس کے پربار نہیں ہوتا
رہے گا چار سو ستر برس انشا زمانے میں
کہ اُس پہ بج رہا ہے عین وشین و قاف کا جوڑا
عجب رنگینیاں باتوں میں کچھ ہوتی ہیں اے انشا
بہم ہو بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم
عین مستی میں ہمیں دید فنا ہے انشا
آنکھ جب موندتے ہیں سیر عدم کرتے ہیں
دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشا
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبد بے در میں نہیں
اس دل جلے کو ہجر میں اے آتش فراق
ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے
باید بسر نمودن اوقات زندگانی
ز انسان کہ میر انشا الہ خاں بسر بُرد
آنچہ درباره انشا بہ تو گفتند
ہیچ دراصل نباشد سخنی ساختند
دیوان سینکڑوں میں ہم نے تو دیکھے لیکن
ان میں نظر پڑا کب پایا جویاں تماشا
کیا خوب واہ ماشاء اللہ ہے عجب کچھ
دیوان میر انشا خاں تماشا

نمونہ چوما چاٹی اور عشقیہ اشعار

ے جاڑے میں کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہے ہوں
اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں

ے کیوں کر نہ گدگداہٹ ہاتھوں میں اس کے اٹھے
وہ گوری گوری رانیں جس نے دبائیں ہوں

ے کھینچ لے کاش وہ پری اپنے مجھے لحاف میں
یا کہ بلا سے پھینک دامن کوہ قاف میں

ے مانگا جو میں نے بوسہ ان سے چمن کے اندر
بولے کے یہاں نہیں چل مچھی بہون کے اندر

ے کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت
ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت

ے میں نے کہا کہ آیئے گا میرے پاس کب
بولے نہیں، نہیں نہیں، ہرگز کبھی نہیں

ے یہ نگہ یہ منہ یہ رنگت یہ مسی یہ لعل خنداں
غضب اور اس پہ لینا یہ زبان بہ زیر دندان

ے آج کچھ کام میں ہوں کوئی جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہہ دیجیو کہ وہ گھر میں نہیں

اب جواں فضل الٰہی ہو چکے کیا ڈر تمہیں
آؤ بیٹھو کھیلو کودو لوٹو پوٹو سو رہو

سج یہ آفت تیری یہ دھج یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھے تو بدنامی ہے

چمن میں جام صہبا ہے گھٹا ہے جائے خلوت ہے
اگر ایسے میں آ جاؤ تو صاحب وقت فرصت ہے

گالی سہی ادا سہی چیں بہ جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

جس جگہ لینے سے تو چونک پڑے
لیجئے ایسے مکان میں چٹکی

کسی ڈھب سے طبیعت سیر ہوتی ہی نہیں ان سے
ابھی دالان میں لائے بہ زیر سائباں لیٹے

بوسہ جو دیتے نہیں مجھ کو تو جھڑکی ہی سہی
نہیں دروازہ جو کھل سکتا تو کھڑکی ہی سہی

مزا جو آپ کے سینے میں کچھ ابھار میں ہے
نہ سیب میں نہ بہی میں نہ وہ انار میں ہے

لچک سی آ گئی ہے شاخ گل کے شانے میں
خدا کے واسطے اپنی کمر کو مت لچکا

موسم عیش ہے یہ عہد جوانی انشا
دور ہیں تیرے ابھی زہد و عبادات کے وقت

ے پاسباں چاند رہا تابہ سحر چاندنی میں
رات جو سو رہے ہم اس مہ تاباں سے لپٹ

ے سج گرم نگہ گرم ہنسی گرم ادا گرم
وہ نام خدا سر سے ہیں تا ناخن پا گرم

ے یہاں جو آپ تشریف لائے کدھر سے یہ آج چاند نکلا
کہ ماہ کنعاں بھی جس کے پگے جو خوب سوچا تو ماند نکلا

ے مجھے اس درد میں لذت ہے اے جوش جنوں اچھا
مرے زخم جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اودھیڑے جا

ے تب ہی لطف ہے ساقیا می کش کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

ے یہ لال لال ڈورے دکھلا کے فصل گل میں
نرگس نے تیرے ساقی یہاں گل کا منہ چڑھایا

ے کیا اسپند تاروں کا فلک نے آتش گل پر
پہن کر جب وہ آیا خوب زرق و برق کا جوڑا

ے اجی دیکھو گے جب تم آرسی مصحف تو دہان انشا
پڑھے گا سورہ الحمد اور اخلاص کا جوڑا

ے یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانے کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اُس کی ساکھ کا جوڑا

ے عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں یہ اشک سرخ
بے خودی ہے مغز اُس کا اور چھلکا اضطراب

شال رومال کی تو چوٹ مجھے کچھ نہ لگی
اب بنا پھینکے کمخواب کی شلوار کے گیند

جس پری کا مجھے سایہ تھا نہ اترا لیکن
کام آیا نہ کسی شخص کا گنڈا تعویذ

غنچوں کو روند گل کو مل اور صبا کو چھیڑ
لیکن نہ اُس کے عقدہ بند قبا کو چھیڑ

تم نے پلنگ دور بچھایا تو کیا ہوا
تم جانتے ہو مجھ کو کہ میں ہوں پلنگ فرش

فروغ مے سے نہ کیونکہ ہووے ایاغ روشن مراد حاصل
مشعل یہ مشہور ہے جہاں میں چراغ روشن مراد حاصل

افشاں کا وہ عالم ہے اُس چاند سے مکھڑے پر
جون وقت سحر انشا سورج کی کرن نکلے

کھل پڑے عالم مستی میں ہم تو ہم سخت کھلے
لے نہ اے دختر رز اب تو تیرے بخت کھلے

حباب بادہ کو کیوں کر کرے نہ پیار انشا
کہ ہے یہ شیشہ کا پوتا ایاغ کا بیٹا

اللہ کیا سرور ہو انشا سے بزم میں
ایک بار یار پوچھے اگر خیر و عافیت

کبھی عمر بھر پھر نہ تلوے جلیں گے
قدم آپ رکھیئے میری چشم تر پر

؎ یا وصل میں رکھیے مجھے یا اپنی ہوس میں
جو چاہے سو کیجئے ہوں آپ کے بس میں

؎ گالیاں کھانے کو اُس شوخ سے ملتے ہیں ہاں
کوئی کرتا نہیں جو کام سو ہم کرتے ہیں

نمونہ اشعار شوخ مخاطب بہ شیخ

بوسیدہ لغت چھانٹی ہے اللہ کرے پڑ جائے
اے شیخ تیری عقل کے فرہنگ میں کیڑا

شیخ یہ برسات ہے مجھ سے پرے ٹک ہو کے بیٹھ
آدمی کو جن کرے ہے تیرے رختوں کی ہوا

بیٹھا ہے جب تندیلا شیخ آ کر بزم میں
ایک بڑا مٹکا سا رہتا ہے شکم آگے دھرا

اور بھی پرواز اگر منظور ہو تو زاہدا
گانٹھ لیجئے دم میں اپنے پر کوئی سرخاب کا

عمامہ والوں سے اے دل تو بچ کے نکلا کر
کہ ہے یہ شملہ زہاد راہ دین کا سانپ

شیخ سے عید کو کیوں آپ ہم آغوش ہوئے
کوئی جاتا ہے بھلا ایسے بھی کھوسٹ سے لپٹ کر

ہیں جا بجا لٹکتے خضاش جس کے چھت سے
اے زاہد وہی ہے کیا شیخ جی کی مسجد

مزے خوب لوٹو گے کیوں شیخ صاحب
ملیں گے بہشت بریں میں اگر پر
زمرد کی ایک چونچ ہوگی بڑی سی
کہ مارو گے ٹھونگ اُس سے ہر اک کی کمر پر

پڑے روڑتے پھریئے گا جون کالا کوا
کبھی اس شجر پر کبھی اُس شجر پر

ـ جھک کہ اہلیہ زاہد نے کہا بوسہ کے وقت
آپ کی ڈاڑھی میں کیا رچ رہی ہے ناس کی باس

ـ ٹک فزیہی کو شیخ کی دیکھو کہ ہے زیاد
دریا کی بھی نہنگ سے کچھ یہ نہنگ فرش

ـ بیٹھا ہے آج مجلس رندان میں شیخ یوں
طوطی کے ساتھ جیسے کوئی ہم قفس ہو زاغ

ـ شیخی اتنی فکر اے شیخ کہ زندان جہاں
انگلیوں پر تجھے چاہیں تو نچا سکتے ہیں

ـ غضب کا چھوکا منتر پھونکا تم نے شیخ جی صاحب
کہو اب فرق کیا ہے تم میں اور لونا چماری میں

ـ بڑی داڑھیوں پہ نچادلا یہ سب آہوؤں کے ہیں مبتلا
یہ شکار کھیلے ہیں برملا انہیں ٹیٹوں کی تو آڑ میں

ـ شیخ جی شغال آسا تم ہو نامحو روباہ
شکل قاضی و واعظ چون دراز گوشاں ہے

ـ جی چاہتا ہے شیخ کی پگڑی اُتاریئے
اور تان کر چٹاخ سے ایک دھول ماریئے

ـ گر شیخ سنے نغمہ لبیک کو بھولے
آواز نے و بین و دف و چنگ خرابات

منتخب
نمونہ
کلام
(جرعہ ای از ساغر انشا)

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمحہ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تو نے کھولے
دفعتاً نسخہ افلاک کے جوں سات ورق
فرج سے چار عناصر کو یہ دی کیفیت
قید ہستی نے کیا پردہ اطلاق کو شق
سمع و ذوق و بصر و لمس و شم و وہم و خیال
بن کہے تو نے دیئے ہم کو کریم مطلق
صدقہ اس بندہ نوازی کی تیری ہم جاویں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق
روز و شب حضرت خلاق تیرے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

سینکڑوں طرح کی خلقت کو تو اے رازق کل
بھیجتا نعمت الوان ہے بے طشت و طبق
حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا ہوں
شکر صد ہے اے حمد و ثنا کے ایلق
کہ مجھے دین محمدؐ میں کیا تو نے خلق
ورنہ تھے اور بھی انواع کے ادیان و فرق
شر وسواس شیاطین سے بچا لے مجھ کو
تیرے سایہ میں چھپا آ کے ہوں اے رب فلق
وسعت رزق تفضّل ہو مجھے صحت ساتھ
جلد ایسے کہ نہ کرنے پڑے مجھ کو زق زق
ہاتھ سے ساقی کوثر کے پلا دینا جام
عطش روز قیامت سے نہ ہو مجھ کو قلق

نعت

آپ خدا نے جب کہا صل علی محمدؐ
کیوں نہ کہیں پھر انبیاؑ صل علی محمدؐ
عرش سے آئی ہے صدا صل علی محمدؐ
نورِ جمال مصطفیٰؐ صل علی محمدؐ
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

عرش کی کچھ نہیں فقط قائمہ جلیل پر
لوحِ جبیں مہر پر چشمہ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر
ہے خطِ نسخ سے لکھا شہپر جبریلؑ پر
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

لمعہ ذات کبریا باعث خلق جز و کل
فخر جمیع مرسلینؐ رہبر و ہادی سبل
نور سے جس کے ہوگئی آتش کفر بجھ کے گل
بعدِ نماز تھا ہی ورد وظیفہ رسل
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

میری زباں کہاں کہ ہو وصف دوازدہ امام
آل نبیؐ و ہاشمی ہیں وہ ائمہ انام
یاد کر ان کو صبح و شام کے لیے علیہم السلام
نور جمال ذات حق ان میں کا رہا تمام
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور انس و جن
حور و بہشت جاوداں کس کو ملی ہے اُس کے بن
واہ عجیب چیز ہے قلب ہو جس سے مطمئن
انشا اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صل علی نبینا صل علی محمدؐ

منقبت

نظر کر علیؑ کو قرینِ محمدؐ
ہوا نورِ حق ہم نشینِ محمدؐ
ریاض القدس میں ہیں کہتے فرشتے
یہ ہے آفتاب جبینِ محمدؐ
وہ ہے وحی ناطق قرآن ناطق
وہ ہے جبرئیلؑ امینِ محمدؐ
یداللہ کے نام سے ہے جہاں میں
درخشندہ نقش نگینِ محمدؐ
علیؑ سے جن اشخاص نے بغض رکھا
انہوں نے کیا قصد کینِ محمد
غرض لعنت اللہ اُن ناگوں پر
کہ تھے افعی آستینِ محمد
نہیں ماسوا ان کے دنیا میں کوئی
ضیا بخش شرع متینِ محمدؐ
ایمہ کی تعریف کس سے بیاں ہو
منور ہوا اُن سے دینِ محمدؐ
اِنہیں بارہوں برج سے میر انشا
ہوئی زیب چرخ برینِ محمدؐ

مکھڑے پہ اُس کے ضرب نہ بلبل نے غش کیا
چٹ چٹ بلائیں غنچوں نے لیں گل نے غش کیا

صحن چمن میں ہیں گل و سنبل نڈھال سے
یہاں کس کے عاشقِ رخ و کاکل نے غش کیا

گیسو کی لٹ کی لٹ نظر آئی جو باغ میں
مارِ سیاہ طرہ سنبل نے غش کیا

عالم کو میری خانہ بدوشی کی سوچ سوچ
خلوت میں صاحبان توکل نے غش کیا

انشا بدل کے قافیہ ایک اور لکھ غزل
تیرے سخن پہ بلبل آملؔ[1] نے غش کیا

ہے تیرا گال مال بوسہ کا
کیوں نہ کیجئے سوال بوسہ کا

منہ لگاتے ہی ہونٹ پر تیرے
پڑ گیا نقش لال بوسہ کا

زلف کہتی ہے اُس کے مکھڑے پر
ہم نے مارا ہے جال بوسہ کا

صبح رخسار اُس کے نیلے تھے
شب جو گزرا خیال بوسہ کا

حاشیہ: [1] بلبل آمل سے مُراد طالب آملی ہے۔

برگ گل سے جو چیز نازک ہو
واں کہاں احتمال بوسہ کا
گالیاں آپ شوق سے دیجئے
رفع کیجئے ملال بوسہ کا

گیا پھٹ جس گھڑی قیس بیاباں گرد کا جوڑا
تو ٹکرایا بہم دونوں کی آہِ سرد کا جوڑا

شعاع مہر آ کر زعفران کے کھیت چڑ جاوے
نہو وے تو بھی وہ عاشق کے روے زرد کا جوڑا

مبارک بادگائی خوب سے ٹکرا کے تیشہ نے
شہانا جب ہوا فرہاد غم پر درد کا جوڑا

لباس خاک میں جو دو بگولے لڑ گئے شاید
یہ دو روحیں تھیں پہنا تھا جنہوں نے گرد کا جوڑا

کیا کہوں احوال تیرے عاشق بے تاب کا
اشک جو ٹپکا سو گویا قطرہ تھا سیماب کا

دیکھئے آ کر جھمکڑا چادر مہتاب کا
لہریں لیتا ہے سمندر عالم سیماب کا
تھے جو کمبل پوش اُن کے سامنے کیا تذکرہ
صاحب شالِ سمور و قاقم و سنجاب کا

کوئی سفلہ بڑھ چلا حد سے تو یاروں نے کہا
ایک یہ بھی جوش تھا برسات کے سیلاب کا

دیکھ لیجئے ہاتھ دھر کر اس مرے سینے پہ آپ
گر نہ دیکھا ہو تڑپنا ماہی بے آب کا

کعبہ سے کیا ہم نے جو آہنگ خرابات
کیا جانے خوش آیا ہمیں کیا رنگ خرابات

آتش کدہ ہے ہر شرر شنگ خرابات
جھلکے ہے غرض در سے ہی کچھ رنگ خرابات

سب ٹوٹ گئے جام و سبو ساغر و مینا
تھا گرم یہ شب معرکہ جنگ خرابات

گر راہِ حرم میں نہ ملے آہ کروں کیا
مطرود صنم خانہ ہوں میں تنگ خرابات

لے سلطنت عشق مبارک تجھے انشا
ہو زیب وہ شاہی اورنگ خرابات

میاں چشمِ جادو پہ اتنا گھمنڈ
خط و خال و گیسو پر اتنا گھمنڈ

اجی سر اٹھا کر اِدھر دیکھنا
اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ

نسیم گل اُس زلف میں ہو تو آ
نہ کر اپنی خوشبو پہ اتنا گھمنڈ

شب مہ میں کہتا ہے وہ ماہ سے
رکابی کے اس رو پہ اتنا گھمنڈ

بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا
انہیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

وہ کر پنجہ انشا سے بولے کہ واہ
اسی زور بازو پہ اتنا گھمنڈ

آدمی چیز ہے کیا اُن نہ چھوڑے پتھر
پھونکے جس جلوہ نے سب طور کے روڑے پتھر

چادرِ آب کا گرنا تو پہاڑوں پر دیکھ
واہ کیا حکم ہے یوں جس نے نچوڑے پتھر

کر نظر لعل و زمرد کی طرف پہنے ہیں
سرخ اور سبز عجب رنگ کے جوڑے پتھر

آبلے ہیں دلِ دریا کے حساب ایسے ہے
جس طرح کوہ کی چھاتی پہ ہو دوڑے پتھر

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دلِ اُمیدوار پر

ہے اشتیاقِ بوس و کنار اس قدر کے یار
جی تک تو ہم لگاتے ہیں اب ایک بار پر

ساقی صراحی مئے گل فام لا شتاب
ہے تجھ کو کچھ خیال بھی ابر بہار پر

نظارہ سوئے دانہ شبنم اگر کروں
جاتی ہے چٹ نگاہ پھسل سبزہ زار پر

سو سو طرح کی شکل دکھاتا ہے کیا کروں
عکس شگوفہ ہے جو پڑا آبشار پر

بس نہ دنیا کی رکھ اے صاحب ادراک ہوس
خاک ہے خاک ہی سب خاک کی کیا خاک ہوس

تھوڑی سی عمر میں کس شے کی ہوس کیجئے کے بس
کرنے دیتی ہی نہیں گردشِ افلاک ہوس

روحِ مجنوں سے کوئی پوچھے کیا کیا کہتی ہے
دشت پیما سے بیابان خطرناک ہوس

بھر گئے دامن نظارہ میں نرگس کے پھول
اور کیا رکھتی ہے اب دیدہ نمناک ہوس

چل مدینہ کی زیارت کو تو انشاء اللہ
کے نکالیں گے ترے واں شہ لولاکؐ ہوس

بہ وقت صبح ہو یوں نشہ شراب طلوع
کہ جیسے شرق سے کرتا ہے آفتاب طلوع

یکایک ابر سے شیشے کے ہوگیا ساقی
وفود نور سے خورشید جام ناب طلوع

جو دیکھے اشعہ لمعات کی جھلک اُس کی
شعاع شمس کے تک لا سکے نہ تاب طلوع

شب فراق کی ظلمت سے ہے یہ تنگ انشا
خدا کے واسطے اے مہر کر شتاب طلوع

کیا ہوا در پہ تیرے گرچہ ہے ابجد کا قفل
کھول دیتے ہیں سکندر کی بھی یاں سد کا قفل

کنج عزلت میں وہی لوگ ہیں مشغول بہ حق
جو در دل پر لگا بیٹھے ہیں ابجد کا قفل

در فردوس پہ کہتے ہیں ملائک کہ یہ جھٹ
کھل پڑے لیجئے اگر نام محمدؐ کا قفل

خلق خالق نے زمیں پر بھی کیئے ہیں وہ لوگ
توڑتے ہیں جو در چرخ مشعبد کا قفل

کنجی اُس آہ حزیں کی جو نہ ہوتی انشا
تو نہ کھلتا در خم خانہ سرمد کا قفل

دھوم اتنی تیرے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں

مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں

یاں وہ آتش نفساں ہیں کہ بھریں آہ تو جھٹ
آگ دامانِ شفق کو بھی لگا سکتے ہیں

حضرت دل تو بگاڑ آئیں ہیں اُس سے لیکن
اب بھی ہم چاہیں تو پھر بات بنا سکتے ہیں

تو گروہ فقرا کو نہ سمجھ بے جبروت
ذات مولا میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

چارہ ساز اپنے تو مصروف بدل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

کہتے ہو تم تو دم لے پرے ہٹ ابھی نہیں
اور آن جاوے کوئی میرے جی میں جی نہیں

ہاں ہاں ہے سب سے اور ہمیں سے نہیں سو کیوں
کیوں کر نہیں نہیں نہیں کیوں ایسے جی نہیں

گر یار مئے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

میں نے کہا کہ آیئے گا میرے پاس کب
بولے نہیں نہیں نہیں ہرگز کبھی نہیں

یہ نگہ یہ منہ یہ رنگت یہ مستی یہ لعل خنداں
غضب اور اُس پہ لینا یہ زباں بہ زیر دنداں

یہ نمک یہ چھب یہ سج دھج یہ ادا کو دیکھ تیری
بہ تلاطم تحیر ہوے غرق ہوش منداں

وہ لطیفہ گوئی اُس کی وہ فصاحت اور بلاغت
نہیں اس قدر کہ بولے کوئی شاعر سخن داں

بت سنگ دل خدا کا تجھے ترس ہو جو کچھ بھی
تو شکستہ دل کو مت کر کہ یہ شیشہ ہے نہ سنداں

بہ کمال و فضل و دانش یہ بعید ہے کہ انشا
غلطی پہ تو مصر ہو مثالِ خود پسنداں

جو شیشِ قلزم احد دیکھو
دیکھو دیکھو یہ جزر و مد دیکھو

جملہ اشیائے کائنات کے بیچ
ہر طرف جلوہ صمد دیکھو

پڑھو آگے فثم وجہ اللہ
یعنی اس قوت کی سند دیکھو

کوئی اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندہ کو آزار نہ ہو

غیر کو صحبت دلدار میں کیوں بار نہ ہو
یعنی کیا معنی جہاں گل ہو وہاں خار نہ ہو

اُس کے ملنے سے گرانی ہی پھر آ جاتی ہے
نکہت گل کی طرح سے جو سبک بار نہ ہو

جام اے ساقی گل فام وہ کس کام بھلا
آدمی پی کے جسے خوب سے سرشار نہ ہو

سطر منصور کی تو ہو سے ہوئی یہ تحریر
یعنی سردار نہیں وہ جو سرِدار نہ ہو

کھپ گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھ کو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری

اے نسیم سحری کہیو مرا عرض نیاز
گلشن یار میں گر ہووے رسائی تیری

شعلہ برق شرر بار کو بھی دیوے پھونک
ہو فلک سیر گر اے آہ رسائی تیری

منہ لگاتے ہی میرے سخت خفا ہوتا ہے
شیخ کیوں دختر رز کون ہے جائی تیری

طالب حُسن نہ ہو چھوڑ یہ باتیں انشاؔ
دیکھ کہتا ہوں میں اس میں ہے بھلائی تیری

زمین سے اٹھی ہے یا چرخ پر سے اتری ہے
یہ آگ عشق کی یارب کدھر سے اتری ہے

نہ جان اس کو شب مہ یہ چاند نے خاتم
کمند نور پہ اوج قمر سے اتری ہے

نہیں. یہ عشق تجلّی ہے حق تعالیٰ کی
جو راہ رتبہ بامِ نظر سے اتری ہے

لباس آہ میں لکھنے کے واسطے انشاؔ
قلم دوات تجھے عرش پر سے اتری ہے

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جسے پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دوچار بیٹھے ہیں

کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی . مانگتا
مانگتا بھی اُس سے تو ساری خدائی مانگتا
اُس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا

اے دل سمجھ کہ اس کی تو زلف رسا کو چھیڑ
کم بخت کیا کرے ہے نہ کالی بلا کو چھیڑ

غنچوں کو روند گل کو مسل اور صبا کو چھیڑ
لیکن نہ اس کے عقدہ بند قبا کو چھیڑ

انتخاب نمونہ ریختی

رات جو میں نے سنا قصہ پرستان کا
خواب میں آیا نظر تخت سلیمان کا

تجھ سی پری بھی کوئی ہووے تو شاید کہ ہو
ہم نے تو دیکھا نہیں آدمی اس شان کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ بوا سے کہی
منہ نہ دکھاوے خدا آپ سے نادان کا

تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے
جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآن کا

بس بلائیں میری نہ لے چٹ چٹ
اے دوگانہ تو ایک ہی نٹ کھٹ

سیج پر تو ہی جو نہ ہو تو یہاں
چین مجھ کو نہیں کسی کروٹ

مجھے ٹوکے جو رات کو اُس کا
سینہ بو کے طرح سے جاوے پھٹ

دم دلاسا عبث نہ دے انا
چل چمنی دور ہو پرے بھی ہٹ

چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا
جب سنی ان کے پاؤں کی آہٹ

ارے بی ایک ہی عیار ہو تم
ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

چھیڑ کی بات سوا اور نہیں
یعنی لڑنے ہی پہ تیار ہو تم

کس سے اقرار ہوا جو ہم سے
کرتے ہر بات پہ انکار ہو تم

بیٹھتے پاس نہیں جو آ کر
کیا مری شکل سے بیزار ہو تم

سچ نہ بولے کبھو انشا سے چلو
اجی سب جھوٹوں کے سردار ہو تم

کوئی نہیں آس پاس خوف نہیں کچھ
ہوتے ہو کیوں بے حواس خوف نہیں کچھ

یہ نہیں فتنہ کا عطر جس سے کہ ڈر ہو
آتی ہے پھولوں کی باس خوف نہیں کچھ

کچھ نہیں یہ چوکیدار جس سے جھجک ہو
ٹیلا ہے اور اُس پہ گھاس خوف نہیں کچھ

باندھیو انشا دھیان آگ و دھوئیں کا
پھولی ہوئی ہے پلاس خوف نہیں کچھ

یہ گھٹا رات کو چھائی کہ الٰہی توبہ
مینہ نے وہ آنکھ دکھائی کہ الٰہی توبہ

بیگماں راہ میں آج ایک پری نے مجھ سے
آنکھ ایسی ہے لڑائی کہ الٰہی توبہ

تیری فریاد کروں کس سے زناخی تو نے
یہ میری جان جلائی کہ الٰہی توبہ

میرے منہ سے جو کہیں نام سُنا انشا کا
تو نے یہ دھوم مچائی کہ الٰہی توبہ

رباعیات

زاہد جو ہیں انہیں ہے طاعت پہ گھمنڈ
اہل دنیا رکھتے ہیں دولت پہ گھمنڈ
واقف ہوں نہ طاعت سے نہ دولت سے میں
ہے مجھ کو اگر تو تیری رحمت پہ گھمنڈ

شک نیست کہ بندہ ام اگر گمراہم
الطاف محمد و علی مے خواہم
انشا اللہ جنتی خواہد شد
گو بندہ لا الہ الا اللہم

آرام و نشاط عیش کردند ہجوم
ایجاب و قبول جملگی شد مرقوم
بادختر رز پیر مغاں عقدم بست
"قد قلت قبلت بالصدق المعلوم"

شب نعش پہ پروانہ کی گریاں تھی شمع
اور آتش فرقت میں فروزاں تھی شمع
اتنے میں پتنگ کے سر سے تاج زرین
دیکھو کوتی ہوگی بے جاں تھی شمع

ناحق ناحق مجھے جلاتے کیوں ہے
گھر میں میرے آگ لینے آتے کیوں ہے
آئے تو نہیں ٹھہرنے یہ رنجش ہے
بے فائدہ یہاں تو آتے جاتے کیوں ہو

ہجو میاں مصحفی از انشا اللہ خان

ہجو یہ اشعار یہ ہیں:

بخداوندی ذاتے کہ رحیم است و علیم است و حلیم است و حکیم است عظیم است و قدیم است. و شریف است و لطیف است و خبیر است و بصیراست و کبیر است و رؤف است وغفور است وشکور است و وددواست و مرا خلق نمود است، بود خالق آفاق؛ قسم می خورم اکنون کے مرا ہیچ ز ہجو تو سروکار نبود است و لے از طرفت گشت شروع ایں ہمہ اقوال مزخرف شنوائے مردک ناداں۔ اندردہنت شاشہ عالم

غزل پوچ تو ومثنوی ہرزہ کہ مجموعہ دشنام غلاظ است وشداد است گزشت از نظر آں لحظہ بنا چارترا ہجو نمودم کہ دلم خون شد جوشید وبلرزید و بہ پیچیدہ وطپیدہ وجگر آتش شد درسینہ سوزان من خستہ دل ومضطر وحیران۔ اندر دہنت شاشۂ عالم

اگر از نطفہ ابلیس نہ باشی دل ہیچون من سید نخراشی کہ از اولاد حسین است و نجیب الطرفین است وشریف است ونظیف است ولطیف است وفصیح است و بلیغ است ونبود محسن برحق کہ بجز لطف وکرم بخش وتعریف وکمال وصفت پیش کسے گاہ بیان ہیچ نکردہ است وترابود ثناخوان۔ اندردہنت شاشۂ عالم۔

شدہ اثبات کہ تو دشمن دینی ولعین و بود النسب و برموقع لائق کہ ترالعن نمایند ہما اہل سماوات وکسانیکہ برپئے روئے زمین از امراد نجبا وشرفا وفصحا و بلغاد علما وفقرا و فقہاء وفضلا طرفا وکملا وحکما وقبلہ و جہلا وسفہان آنچہ تو کردی نکند زادہ مردان۔ اندر دہنت شاشہ عالم۔

کتابیات

آب حیات	محمد حسین آزاد	مطبوعہ نول کشور لکھنو	۱۹۷۲ء
آب بقا	عبدالرؤف عشرت	مطبوعہ لکھنو	--
آب کوثر	شیخ محمد اکرم	مطبوعہ	--
اُردو کے ادبی معرکے	ڈاکٹر محمد یعقوب عامری	مطبوعہ ترقی اردو بیورو دہلی	۱۷۸۲ء
انشا	فرحت اللہ بیگ	مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی	۱۹۴۳ء
انشا اللہ خان انشا	ایم۔حبیب خان	مطبوعہ ساہتہ اکیڈمی دہلی	۱۹۹۶ء
انشا اللہ خان انشا	ڈاکٹر شیام لوتڑ عابد پشاوری	مطبوعہ اتر پردیش اُردو اکادمی	۱۹۸۵ء
انشا اللہ خان عہد اور فن	ڈاکٹر اسلم پرویز	مطبوعہ شاہراہ دہلی	۱۹۶۱ء
انشا کی دو کہانیاں	ڈاکٹر انتظار حسین	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۱ء
انشا کی فال گری	ڈاکٹر ظفر اقبال	مطبوعہ مضمون آج کل (رسالہ)	۱۹۷۷ء اگست
انشا کا ترکی روزنامچہ	ڈاکٹر سید نعیم الدین	مطبوعہ اُردو ترقی بورڈ لاہور	۱۹۸۰ء
انشا ان کا ویہ کتھا	کرشنا نند ویاس	مطبوعہ (ہندی)	۱۹۸۰ء
ارمغان مالک رام	مالک رام	مطبوعہ دہلی	۱۹۷۱ء
تاریخ اودھ	سید محمد امیر	مطبوعہ	--
تاریخ اودھ	نجم الغنی	مطبوعہ نول کشور لکھنو	۱۹۱۹ء

تاریخ ریختی مع دیوان جان صاحب	میر علی جان صاحب	مطبوعہ لکھنو	۱۸۵۲ء
تذکرہ خوش معرکہ زیبا	سعدت علی خان ناصر	مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور	--
تذکرہ گلشن بے خار	نواب مصطفی خان شیفتہ	مطبوعہ دہلی	۱۸۷۴ء
تذکرہ شعرائے اُردو	میر حسن دہلوی	مطبوعہ علی گڑھ	۱۹۲۲ء
تذکرہ ہندی	غلام ہمدانی مصحفی	مطبوعہ انجمن ترقی اُردو	۱۹۳۵ء
		اورنگ آبادی	۱۹۲۹ء
تذکرہ تکملۃ الشعرا	شوق رام پوری	مطبوعہ	--
تذکرہ مجالس رنگین	سعادت یار خان	مطبوعہ نظامی پریس لکھنو	۱۹۲۹ء
تذکرہ مجموعہ نغز	حکیم قدرت اللہ قاسم	مطبوعہ نشریات کلیہ پنجاب لاہور	۱۹۳۳ء
تذکرہ نکات الشعرا	میر تقی میر	مطبوعہ انجمن اُردو اورنگ آبادی	۱۹۳۵ء
تذکرہ خندہ گل	عبدالباری آسی	مطبوعہ لکھنو	۱۹۲۹ء
حیات انشا	شیخ احمد علی برلاس	مطبوعہ پشاور	۱۹۰۲ء
حیات انشا	عبدالعلی	مطبوعہ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور	۱۹۰۲ء
حیات دبیر	سید افضل حسین	مطبوعہ لکھنو سیوک اسٹیم لیتھو پریس لاہور	۱۹۱۳ء
خم خانہ بدوش	لالہ سری رام	مطبوعہ دہلی ہمدرد پریس	۱۹۲۶ء
دستور الفصاحت	احمد علی خان یکتا	مطبوعہ رام پور	۱۹۴۳ء
دریائے لطافت	انشا اور قتیل	مطبوعہ مرشد آباد	۱۲۶۶ھ
دریائے لطافت	انشا قتیل مترجم دتاتریہ کیفی	مطبوعہ اُردو ترقی بورڈ اورنگ آباد	۱۹۳۵ء
دیوان منتظر	نور الاسلام منتظر	مخطوطہ کتب خانہ	۱۸۲۳ھ
رقعات قتیل	مرزا محمد حسن قتیل	قلمی ۱۸۸۷ء	--
سعادت یار خان رنگین	ڈاکٹر صابر علی خاں	انجمن ترقی اُردو کراچی	--
سلک گوہر	انشاء اللہ خان امتیاز علی	مطبوعہ رام پور	--
کلام انشا	مرزا محمد عسکری و محمد رفیع	مطبوعہ ہندوستانی اکادمی الہ آباد	۱۹۵۲ء

کلیات انشا	انشا اللہ خان	مطبوعہ نولکشور کانپور	۱۸۹۴ء
کلیات مصحفی	غلام ہمدانی مصحفی	مطبوعہ پاکستان	--
کہانی رانی کیتکی	انشا اللہ خان	انجمن ترقی اردو اورنگ آباد	۱۹۳۵ء
طلسم ہند	طوطارام شایان	مطبوعہ	--
لطائف السعادت	ڈاکٹر آمنہ خاتون	مطبوعہ بنگلور	۱۹۵۵ء
مصحفی اور ان کا کلام	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	مطبوعہ لاہور	--
مخزن الغرائب	احمد علی سندیلوی	قلمی مخطوطہ رضا لائبریری رام پور	--